قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝

اس کے ساتھی نے اس سے بات چیت کرتے ہوئے جواب دیا کیا تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر تجھے ٹھیک مرد کیا * لیکن میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں کرتا ہوں * اور کیوں نہ ہوا کہ جب تو باغ میں گیا تو کہا ہوتا جو چاہے اللہ ہمیں کچھ زور نہیں مگر اللہ کی مدد کا اگر تو مجھے اپنے سے مال و اولاد میں کم دیکھتا ہے (۱۸/۳۷ تا ۳۹ * ت.ب.ک)

۳۷۔ کافر مالدار کو اس کے مومن نادار ساتھی نے وعظ و تلقین اور کفر و غرور پر سرزنش کرتے ہوئے کہا " یہ بہت ہی ناروا اور ناپسندیدہ بات ہے کہ تم اپنے خالق کا انکار کرو جس نے انسانی تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا یعنی آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک قطرہ آب کے ذریعہ ان کی نسل کا سلسلہ جاری کر دیا جیسا کہ سورہ بقرہ کی اٹھائیسویں آیت میں بھی آیا ہے " کیوں کر تم اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندگی بخشی یعنی تم کیوں کر اپنے رب کا انکار کرتے ہو حالانکہ تمہارا وجود اس کی ذات کی نشاندہی کرتا ہے ہر شخص اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہر مخلوق پہلے معدوم تھی پھر وجود میں آئی اس کا وجود میں آنا نہ از خود ہے اور نہ کسی دوسری مخلوق کا کرشمہ کیوں کہ وہ بھی اسی کی طرح خالق کی محتاج ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر مخلوق کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

۳۸۔ لیکن (میں تو کہتا ہوں کہ) اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ (عبادت و ربوبیت میں) کسی کو ساجھی نہیں قرار دیتا۔ بقول بغوی، کسائی نے بیان کیا کہ کلام میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے اصل کلام تھا لٰكِنَّ اللّٰهُ هُوَ رَبِّيْ اس صورت میں (میں کہتا ہوں کہ جملہ محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ) لٰكِنَّا کا الف زائد ہوتا * لکنا کو جمہور قراء نے وقف کی صورت میں خط کی اتباع کرتے ہوئے الف کے ساتھ پڑھا ہے اور وصل کی صورت میں بغیر الف کے پڑھا ہے کیوں کہ اس کی اصل لکن انا ہے تخفیف کے لئے ہمزہ کو حذف کیا گیا ہے اور اس کی حرکت لکن کے نون کو دی گئی ہے پس دونوں جمع ہو گئے تو آپس میں مدغم ہو گئے اور الف خط میں باقی رہا۔ وقف

کی صورت میں الف پڑھا جاتا ہے جیسے انا میں وقف کی صورت میں پڑھا جاتا ہے اور وصل میں الف نہیں پڑھا جاتا جیسے انا میں وصل میں الف نہیں پڑھا جاتا۔ ابن عامر، یعقوب نے وصل کی صورت میں بھی الف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کیوں کہ یہ ہمزہ کے عوض میں ہے یا وصل کو قائم مقام کرتے ہوئے ایسا پڑھا ہے۔ (بحوالہ تفسیر مظہری)

۳۹۔ اور ایسا کیوں نہ ہوا۔ یا تو نے ایسا کیوں نہ کیا جب تو کبھی داخل ہوتا یا اب جب کہ میرے ساتھ تو داخل ہوا تھا اپنے اس باغ و بہار، کھیت کھلیان اور پھل سبزیوں خوشبوؤں میں اور چار دیواری کے گھر بار میں اور ان کو دیکھ کر تیرے تصورات میں اپنی ساری دولت عزت آل اولاد نوکر چاکر لونڈی غلام اور شان و شوکت گھوم گئی تھی تو اس وقت بجائے تکبر، غرور، نخوت، نفرت، اکڑ یا شیخی خوری یا چھچھوری باتیں اگل کر طعنوں کے۔ تو کہتا اور شکر کرتے ہوئے یہی ثنا بیان کرتے یہ کلمات ادا کرتا کہ یہ جو کچھ بھی میرے پاس میری ملکیت اور قبضہ میں ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوا ہے اسی کا فضل اس کی عطا، اسی کا کرم ہے اور اسی کی بخشش ہے میری عقل فکر محنت مشقت حفاظت رفاقت تدبیر و سیاست چالاکی و دانائی کا اس میں کچھ عمل دخل نہیں ہے جو وہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا جس کو چاہتا ہے بلا استحقاق عطا فرما دیتا ہے اور ڈھیروں عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے کچھ بھی نہیں دیا جاتا ہے تو بڑے بڑے عقل کو بلا محنت لاکھوں میں کھیلا دے اور چاہے تو ہزار ہنر والے کو خاک پر لٹا دے جب چاہے دیدے جب چاہے لے لے اس کو کوئی روکنے ٹوکنے، امر و نہی کرنے والا نہیں ہے مخلوق میں کسی کے پاس کوئی قوت و طاقت نہیں ہے سب قوتیں طاقتیں میرے اللہ کو حاصل ہیں یہ تمام نصیحتیں حقیقتیں سن کر دیکھ کر سمجھ کر بھی اکڑ تو اے، کبھی سمجھ کر جو بھی کچھ میں ہوں اپنے سے یہ سمجھتا اور دیکھتا جا رہا ہے کہ میں تجھ سے بہت کم ہوں ظاہری دنیوی مال و دولت اور بیٹوں آل اولاد میں تو یہ تیری دنیا کی تنگ نظری کی سوچ ہے تجھ کو نہ غم ہوا نہ فکر و افسوس پریشانی نہ تنگ دلی۔ (اشرف التفاسیر)

لغوی اشارے ✡ تُرَاب: خاک، مٹی، اصل میں "تراب" خود زمین کا نام ہے ▲ نُطْفَة: اسم مفرد۔ صاف پانی مراد نطفہ انسانی نطف جمع ▲ سَوّٰىكَ: اس نے تجھ کو پورا پورا بنایا اس نے تجھ کو برابر کیا۔ اس میں ک ضمیر واحد مذکر حاضر ہے ▲ رَجُلًا: مرد ▲ المال: (منصوب) دولت، جاگیر، مکان دکان اراضی غلہ کپڑا مختلف مویشی سونا چاندی تانبا ہر قسم کے پھل مشینیں وغیرہ غرض تمام مملوکات جن کی وجہ سے آدمی کو دھنی کہا جاتا ہے مال کہلاتا ہے (معجم) میل: جھکاو، خم میل تخلیقی کجی پیدائشی طور پر کسی ایک طرف جسم یا کسی عضو کا ٹیڑھا ہونا فی عُنُقِهِ مَيَلٌ اس کی گردن میں پیدائشی کجی ہے مَالَ (ضرب) جھک گیا ▲ وَلَدًا اسم مفعول مجرور (اسم) بچہ اولاد جمع (ل ق)

2754

مفہومات مزید ✶ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے اس نے اپنے فضل وکرم سے جیسے چاہا جیسا چاہا پیدا کیا
تمام اشیاء، مظاہر، جن و ملک اور انسان اس کی شان تخلیق کے مظہر ہیں۔ مومن ساتھی نے اپنے
کافر ساتھی سے دوران گفتگو یہ بات کہی کیوں کہ اس نے کافر مالدار کے متکبرانہ طرز تکلم اور غرور آمیز لب ولہجہ
سے یہ محسوس کر لیا کہ اپنے مال ومتاع باغ جائیداد اولاد و آسائش پر گھمنڈ کر اپنے خالق ومالک
کے احسانات کو فراموش کر رہا ہے لہذا اس کو تنبیہ کرتے ہوئے واضح کیا کہ یہ حق معلوم اور اس کا انکار
نہ کر کہ خالق کونین نے تجھے مٹی اور ایک قطرہ آب سے پیدا کیا ہے اور اپنے کرم سے تجھے پورا آدمی بنایا
● میرا ایمان ویقین وعقیدہ یہ ہے کہ میرا پیدا کرنے والا، مالک ومختار اور پالنہار اللہ رب العزت ہے
وہ وحدہ لاشریک ہے اس کی ذات یکتا ہے میں کسی کو شریک نہیں کرتا وہ خالق ہے اور اس کے ماسوا،
سب اسی کے پیدا کردہ ہیں لہذا اصنام، مظاہر، اشیاء میں کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائے نہ سمجھے
اور میں اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا ● جس وقت تو باغ میں داخل ہوا تو
یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا اور دین ہے میری کیا طاقت وہمت، حیثیت
وحوصلہ ہے یہ سب اللہ کا دیا ہوا انعام ہے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے طاقت وزور ہے سب اسی کا ہے
وہ جسے چاہے جو چاہے دیدے عطا کردے۔ (س م ح ش)

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ
فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًاۙ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝
وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى
عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝

تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دے اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت اتارے جس سے صبح (باغ) ایک چٹیل میدان ہو کر رہ جائے
* یا اس سے اس کا پانی بالکل اندر اتر جائے، پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کر سکے
* اور اس (بد دین) کی دولت کو (آفت نے) گھیر لیا پس وہ اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر کہ جو کچھ اس نے اس (باغ) پر خرچ کیا تھا اور وہ (باغ) اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا اور وہ (بد دین) کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا
(۱۸/۴۰ تا ۴۲ * ت: م)

۴۰۔ مومن ساتھی نے کافر دولت مند سے کہا کہ مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے آخرت میں تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہارے باغ پر جس کے متعلق تم خیال کئے بیٹھے ہو کہ یہ کبھی فنا نہ ہوگا آسمان سے عذاب نازل کر دے، شدید بارش برسنے لگے جو درختوں اور کھیتوں کو برباد کر کے رکھ دے، پھر وہاں صرف ایسی چکنی بنجر زمین رہ جائے جہاں قدم پھسلنے لگیں اور وہ کوئی چیز اگانے کے قابل نہ رہے (ابن کثیر)

۴۱۔ اس نے مزید کہا کہ اور زمین سے یہ آفت اٹھے کہ ان ہی صبح کے لمحات عذاب میں ان باغات کھلیان کو سیراب کرنے تر و تازہ رکھنے والا نہر اور دریا کا پانی زمین میں دھنس کر ایسا جذب و غائب ہو جائے کہ ہزار محنتوں مشقتوں کھدوائیوں گہرائیوں کے باوجود نہ تو اس اپنے باغ میں موجود نہر سے پانی ڈھونڈ کر نکال سکے اور نہ کسی دوسرے دریا نہروں سے طلب کر کے لا سکے یا منگا سکے اور تیرا یہ علاقہ سب جلتا بھنتا پیاسا رہ جائے۔ لہٰذا میری ایمانی عرفانی باتوں کو عبرت کے کانوں سے سن کر مان لے اور آج ہی رب کریم کی ذات اقدس جل مجدہ پر صدق قلبی و اقرار لسانی سے ایمان لے آ اور سجدہ شکر میں گر جا اور اس دولت دنیا کے فنا ہونے سے پہلے تو مولیٰ تعالیٰ کی طرف گامزن ہو جا۔ مگر اس مغرور کی عقل و ہوش والی آنکھیں ابھی خواب خرگوشی سے نہ کھلیں یہاں تک کہ چند لمحے بعد تقدیر ازلی کا نوشتہ آ گیا۔ (اشرف التفاسیر)

۴۲ ۔ اور اس (کافر مالدار) شخص کے باغ کے پھلوں یا سامان تمول کو آفت نے آ گھیرا۔ پھر اس نے اس باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا اس کی تباہی و بربادی پر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ یعنی عذاب آ جانا، تباہ و برباد کر دینا۔ دشمن جب گھیر لیتا ہے تو وہ اس کے احاطے میں آ جاتا ہے اس پر غالب آ جاتا اور تباہ کر دیتا ہے لہذا وہ کف افسوس ملتا رہ گیا۔ ہاتھ پر ہاتھ ملنے لگا یا افسوس و حسرت کے ساتھ ہتھیلیاں اس نے الٹی کر لیں اور پشت کف کو کاٹنے لگا۔ تقلیب کفین سے بطور کنایہ مراد ہے پشیمان ہونا یعنی جو کچھ اس نے باغ میں خرچ کیا تھا اس کے برباد ہو جانے پر وہ پریشان و حسرت زدہ اور پشیمان ہوا۔ اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا۔ یعنی انگوروں کی بیلوں کی چھپریاں زمین پر گر گئیں اس طرح سب بیلیں زمین پر آ رہیں اور سارا انگورستان اجڑ گیا۔ اور قیامت کے دن یا قبر میں جب دیکھے گا کہ اس کا جنتی مقام دوزخ کے مقام سے بدل دیا گیا تو کہے گا کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دیتا۔ (بحوالہ تفسیر مظہری)

لغوی اشارے ✶ **عَسٰی** : عنقریب ہے، شتاب ہے، ممکن ہے، توقع ہے، اندیشہ ہے، کھٹکا ہے
علامہ جلال الدین سیوطیؒ الاتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں "عسٰی فعل جامد ہے غیر منصرف" اور اسی بناء پر ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ یہ حرف ہے اس کے معنی پسندیدہ بات میں امید کے اور ناپسندیدہ میں اندیشہ اور کھٹکے کے ہیں"۔ ابن فارس کا بیان ہے کہ عسٰی قرب اور نزدیکی کے لئے آتا ہے۔ اور کسائی نے کہا ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں قرآن مجید میں عسٰی خبر کے لئے آیا ہے بصیغۂ واحد آیا ہے اور جہاں استفہام کے لئے آیا ہے بصیغہ جمع ہوتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے هَلْ عَسَيْتُمْ بمعنی هَلْ عَرَفْتُمْ ذٰلِكَ کیا تم نے جان لیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قرآن پاک میں ہر جگہ عسٰی واجبہ ہے یعنی یقینی کے لئے استعمال ہوا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ عسٰی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجوب کے لئے ہے اور ابن الانباری نے کہا ہے بجز دو جگہ کے سارے قرآن میں عسٰی واجبہ ہے۔ بعض محققین نے اس استثناء کا بھی بطلان کیا ہے اور قاعدہ کو عام ہی رکھا ہے۔ تفسیر کشاف میں سورۃ التحریم میں مذکور ہے کہ عسٰی کا لفظ اللہ پاک کی طرف سے اپنے بندوں کو توقع دلانے کے لئے آتا ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ باجبروت بادشاہوں کا دستور ہے کہ وثوق اور یقین کے موقع پر بھی جواب عسٰی اور لعلّ ہی سے دیتے ہیں دوسرے یہ کہ اس کا استعمال اپنے بندوں کو یہ سکھلانے کے لئے ہوا ہے کہ وہ بیم و رجا کی حالت میں رہیں۔ اور بیان کیا ہے کہ عسٰی اور لعلّ اللہ پاک کی طرف سے تو واجبہ ہی ہیں یعنی مفید یقین ہی ہیں تو مخلوق کے کلام میں ان کا استعمال امید وار توقع کے سلسلہ میں ہوتا ہے کیوں کہ مخلوق کو شکوک اور طرح طرح کے گمان پیدا ہوتے رہتے ہیں اور حق تعالیٰ اس سے پاک ہے اور ان الفاظ کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ امور ممکنہ

میں جوں کہ خلق کو تو شک رہا کرتا ہے اور کسی ہونے والی چیز کا ان کو یقین حاصل نہیں ہوتا اور اللہ پاک کو ہر ہونے والی چیز کا صحیح طور پر علم ہوتا ہے اس لئے ان امور ممکنہ کی دو نسبتیں ہوئیں ایک نسبت الی اللہ جو نسبت قطع و یقین ہے اور دوسری نسبت بجانب خلق کہ جو نسبت شک و ظن ہے بدیں وجہ یہ الفاظ کبھی تو بلفظ یقین استعمال ہوتے ہیں اس اعتبار سے کہ جس طرح ہر ان کا ہونا اللہ تعالیٰ کے یہاں طے ہو چکا ہے اور کبھی یہ لفظ شک ان کا استعمال ہوتا ہے یہ اس نسبت کے اعتبار سے کہ جو خلق کے نزدیک ان کو حاصل ہے۔ نیز جوں کہ قرآن پاک ہر عرب کی زبان میں اترا ہے اس لئے وہ ان کے محاورات کے مطابق اترا ہے اور اہل عرب کا دستور ہے کہ وہ متعدد اغراض کی بنا پر کبھی کبھی یقینی بات شک کی صورت میں بھی پیش کیا کرتے ہیں۔ ابن الدہان کہتے ہیں کہ عَسٰی لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے فعل ماضی ہے کیوں کہ اس کا استعمال اس توقع کے لئے ہوتا ہے کہ جو آنے والی چیز کے بارے میں حاصل ہو چکی ہے اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ کے اعتبار سے تو ماضی ہے مگر معنی کے لحاظ سے مستقبل ہے کیوں کہ یہ اس توقع کی اطلاع ہے کہ جس کے وقوع کا وہ خواہش مند ہے۔ تنبیہ: عَسٰی کا استعمال قرآن مجید میں دو طرح پر ہوا ہے۔ ایک اس اسم صریح کا رافع ہو کر جس کے بعد فعل مضارع مقرون بان واقع ہو ایسی صورت میں اس کے اعراب کے متعلق مشہور قول تو یہ ہے کہ وہ فعل ناقص کا صیغہ ماضی ہے اور کان کا سا عمل کرتا ہے لہٰذا مرفوع اس کا اسم ہے اور مرفوع کا مابعد اس کی خبر۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ فعل متعدی ہے اور عمل میں قارب کی طرح ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ فعل قاصر (لازم) ہے اور بمنزلہ قرب من ان یفعل کے ہے اور جار کو محض توسع کے لئے حذف کر دیا گیا ہے چنانچہ سیبویہ اور مبرّد کی یہی رائے ہے ✱ علامہ ابوحیان اندلسی نے البحر المحیط میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ عَسٰی کا استعمال رجا میں زیادہ ہوتا ہے اور خوف میں کم (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✱ فقر و فاقہ اور مختلف آزمائشی مراحل کے باوجود اپنے خالق و رزاق کی شان ربوبیت فیاضی اور عطا سے نا امید اور مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اپنے پالنے والے کی ذات پر بھروسہ اور یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ دیتا رہا ہے دیتا ہے اور سدا دیتا رہے گا ● اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور عطا و سخا پر ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہیئے کبھی بھی اپنے ذہن میں کافرانہ خیال، زبان پر متکبرانہ بات اور عمل سے غرور و تکبر کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے جو دینے والا دینے پر کمال قدرت رکھتا ہے وہ واپس لینے پر بھی پورا اختیار اسی کا ہے جب کافر مالدار پر عذاب آیا تو سارا سرسبز و شاداب باغ تباہ و برباد ہو گیا۔ پانی زمین کے اندر ایسا چلا گیا کہ انتہائی گہرائی تک ہزار کوشش و تلاش کے باوجود پانی کا نام و نشان نہ رہا ● زیاں و تباہی کے بعد ہاتھ ملتے رہ جانا معمول ہوا کرتا ہے باغ والے کافر کو اس بات کا احساس و پچھتاوا تھا کہ کاش میں اللہ کی ذات میں شرک کرنے کی جرأت و خطائے عظیم نہ کرتا۔

(۱۰-۳-۲۴)

وَلَمْ تَكُن لَّهُ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ

الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۝ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ

الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ

هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝

اور نہ رہی تھی اس کے پاس کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا * یہاں سے ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کے لئے ہے۔ وہی بہتر ثواب دینے والا ہے اور اس کے ہاں ہی بہتر انجام ہے * ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال یہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہو کر اگتی ہیں اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک بوسیدہ گھاس ہو جاتی ہے اڑاتے پھرتی ہیں اسے ہوائیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے (۱۸/۴۳ تا ۴۵ * ت: ض)

۴۳ - اس کی کوئی جماعت نہیں تھی جو اس کی قدرت رکھتی اور اسے ہلاکت سے بچا سکے یا اسے اس کا ضائع شدہ مال و اسباب واپس دلا سکے یا اس جیسا مال و اسباب اسے دلوا سکے * اللہ تعالیٰ کے سوا کس کی کیا طاقت ہے کہ کر سکے اس لئے کہ اس جیسی مدد وہی کر سکتا ہے لیکن اس کو کافر کی مدد نہیں کرنی تھی کیونکہ وہ اس کی مدد کا مستحق نہیں تھا بلکہ اپنے کفر و معاصی کی وجہ سے ذلت و خواری کا مستحق تھا ۔ اور وہ اپنی قوت سے اللہ تعالیٰ سے بدلہ لینے والا بھی نہ تھا ۔ (روح البیان)

۴۴ - وہاں اور اس وقت یعنی جب اس کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا مدد کرنا اللہ برحق ہی کا کام ہو گا ۔ بعض علماء نے کہا وَلَایَة کا معنی ہے ربوبیت اور وِلَایَة کا معنی ہے حکومت * یہ بھی جائز ہے کہ اللہ نے کافر کا یہ قول اسی وقت نقل کیا ہو جب اس نے اپنے باغوں کو دیکھا کہ وہ تباہ ہو چکے ہیں اظہار پشیمانی کیا تھا اور شرک سے توبہ کر لی تھی یا اپنے مومن بھائی کی نصیحت سن کر اور باغ کی اجڑی حالت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ یہ ساری مصیبت شرک کی وجہ سے آئی ہے ۔ یہ حقیقت سمجھ کر اس نے بے اختیار بے تابی کی حالت میں شرک سے بیزاری کا اظہار کر دیا ۔ اس موقع پر اس اضطراری حالت میں اس کو یقین ہو گیا کہ نصرت یا حکومت اللہ برحق کی ہی ہے (تفسیر مظہری)

۴۵ - دنیاوی زندگی کی بے ثباتی، زوال، فنا اور بربادی کی مثال بیان کی جا رہی ہے، یہ آسمان سے اترنے والے

پانی کی طرح ہے جو بیج کے ساتھ مل کر خوب گھنی فصل اُگاتا ہے، ہرے بھرے کھیت لہلہانے لگتے ہیں اور خوبصورت کلیاں اور کونپلیں اپنی بہار دکھانے لگتی ہیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ نباتات خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہیں جنہیں ہوائیں ادھر اُدھر اڑائے پھرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حالت پر بھی پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ عموماً دنیاوی زندگی کی یہی مثال بیان فرماتا ہے جیسا کہ سورہ یونس میں فرمایا: "دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا، سو پانی کے باعث زمین کا سبزہ گھنا ہو کر اُگا جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی" (۱۰/۲۴) اسی طرح سورہ زمر میں آیا ہے۔ "کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اسے زمین کے چشموں سے جاری کیا، پھر اس کے ذریعہ جدا جدا رنگوں والی فصلیں اُگاتا ہے" (۳۹/۲۱) یہاں سورہ حدید میں ارشاد ہوتا ہے: "خوب جان لو دنیوی زندگی محض کھیل تماشا، آرائش اور آپس میں اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال و اولاد حاصل کرنا ہے اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور کسانوں کو اس کی کھیتی سے نہال کر دے" (۵۷/۲۰) صحیح حدیث شریف میں آتا ہے: "دنیا سرسبز اور شیریں ہے" (ترمذی، ابن ماجہ) (تفسیر ابن کثیر)

لغوی اشارات ✱ مُنْتَصِرًا : اسم فاعل واحد مذکر منصوب، انتصار مصدر۔ بدلہ لینے والا۔ غالب ▲ الْوَلَايَةُ : مصدر (سمع) نصرت، مدد ▲ اَصْبَحَ : لگا، ہوگیا۔ اس نے صبح کی۔ اس کی صبح ہوئی۔ افعال ناقصہ میں سے ہے۔ اصباح سے جس کے معنی صبح کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ▲ هَشِيمًا : صفت مشبہ منصوب بمعنی اسم مفعول۔ شکستہ ریزہ ریزہ۔ بھوسہ ▲ تَذْرُوْهُ : وہ اس کو اڑاتی ہے۔ تذروا، ذرو سے جس کے معنی بکھیرنے اڑانے اور اڑنے کے ہیں مضارع کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہ ضمیر واحد مذکر غائب ▲ الرِّيٰحُ : ہوائیں۔ ریح کی جمع، واضح رہے کہ قرآن مجید میں جہاں ارسال ریح کا تذکرہ ہے اگر بلفظ جمع ہے یعنی ریاح کا لفظ استعمال ہوا ہے تو وہاں عام طور پر رحمت کی ہوائیں مراد ہیں اور اگر ریح یعنی واحد کا لفظ استعمال ہوا ہے تو عذاب کے معنی مراد ہیں۔ امام سیوطی اتقان میں قرآن مجید کے قاعدہ افراد و جمع کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "اور اسی قاعدہ سے ریح ہے کہ وہ جمع ہو کر بھی مذکور ہے اور مفرد ہو کر بھی، پس وہ جہاں سیاق رحمت میں ذکر کی گئی ہے جمع ہو کر مستعمل ہوئی ہے اور جہاں سیاق عذاب میں آئی ہے مفرد لائی گئی ہے۔ ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید میں ریاح میں سے ہر شے رحمت اور ریح میں سے ہر شے عذاب ہے اسی لئے حدیث میں وارد ہے اللّٰھم اجعلھا ریاحًا ولا تجعلھا ریحًا (اے اللہ اس کو ریاح کر، ریح نہ بنا) اور اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ رحمت کی ہواؤں کی صفتیں، ہیئتیں، اور منفعتیں مختلف ہیں اور جب کبھی ان میں سے کوئی ہوا چلتی ہے تو اس کے مقابل سے ایسی چیز

اظاہر ہو جاتی ہے جو اس کی تیزی کو توڑ کر رکھ دے اور پھر ان دونوں کے درمیان سے ایسی ہوا لطیف اٹھتی ہے جو حیوان و نباتات دونوں کو نفع دیتی ہے پس رحمت ہی تو کئی ہوائیں ہو بیٹھیں اور عذاب کے اندر ہوا ایک ہی رخ پر آتی ہے نہ ان کا کوئی روکنے والا ہوتا ہے اور نہ دفع کرنے والا" البتہ سورہ یونس میں جو ارشاد الٰہی " اور ہواؤں کو خوش آئند ہوا کے ساتھ لے کر چلیں" (یونس/۲۲) ہے وہ اس قاعدہ سے خارج ہے ▲ مُقْتَدِرًا : اسم فاعل واحد مذکر منصوب۔ اقتدار مصدر۔ باقتدار۔ ہر طرح کی قدرت والا۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید * اس کا کوئی ایسا مددگار یا ہمدرد نہ تھا جو باغ کی بربادی اور تباہی کو روک سکے اور اسے پہلے کی طرح ٹھیک کرسکے دوبارہ آراستہ کرسکے اور خود وہ بھی اتنا مفلس و قلاش، کمزور و ناتواں ہو چکا تھا کہ خود اپنے باغ کی درستگی کا انتظام کرے اس کے پاس اس کی سکت باقی نہ رہی تھی نہ وہ اپنی طاقت و قوت یا مال و متاع کے ذریعہ اب کرسکتا تھا کیونکہ اس کے پاس کچھ نہ تھا تاکہ اپنے باغ کو دوبارہ سرسبز بنا سکے * ایسے حالات یا واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ قدرت الٰہی کے سامنے مخلوق اور انسان کتنا بے بس و بے اختیار ہے۔ انسان کو یقین ہو جاتا ہے اور حقیقی دولت یقین ہے ہمیں انہیں ان واقعات کو دیکھنے سے یہ معلوم کرلینا چاہئے اور جان لینا چاہئے کہ سارا اختیار اور قدرت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ قادر مطلق نے دنیا کی تشبیہ آسمان سے اترنے والے پانی یعنی بارش سے دی تاکہ بندوں کو پتہ چل جائے کہ برسات کے پانی پر کسی کا بس نہیں کہ کب ہو اور کب نہ ہو اس کے مقابل کنوئیں یا تالاب کا پانی ہے جسے آدمی جب چاہے بھر سکتا ہے دنیاوی زندگی، زندگی کا آسائش مال و دولت، راحت و آرام وغیرہ کسی چیز پر انسان کا اختیار نہیں کہ کب جیسے آئیں اور کب رخ پھیر لیں۔ آسمانی پانی کبھی ہو تو خوب ہو کبھی تھوڑا ہو اور کبھی نہ ہو اسی طرح آسائش حیات کا معاملہ ہے کہ کسی کے پاس حسب ضرورت، کسی کے پاس حد سے زیادہ اور کسی کے ہاں کم ہوتی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ مال و دولت، اولاد و آسائش سے سرفراز کیا ہے اسے چاہئے کہ اچھی دنیا کے ساتھ دینداری لازم کرلے اطاعت حق و اتباع رسالت کو حرز جان بنالے کہ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں اس کے ہمیشہ شامل حال رہیں * کھیتی باڑی، باغ بغیچہ مال و دولت کا اسباب رہیں کب تک اچھی طرح مہیا رہیں اور کب یہ سب ختم ہو جائیں ہر شے ختم ہونے اور فنا ہونے والی ہے اسی لئے یہاں دنیا کے لئے سبزہ کی مثال دی گئی ہے کہ ابھی شادابی رہتی ہے اور دیکھتے دیکھتے سب ختم ہو جاتا ہے شادابی بربادی میں بدل جاتی ہے لہٰذا آدمی کو دنیاوی اسباب پر غرور و تکبر نہیں کرنا چاہئے بلکہ شکر گزاری سے کام لینا چاہئے تاکہ رحمتیں ہمیشہ مہربان رہیں۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ
فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ۚ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝

مال اور بیٹے یہ جیتی دنیا کا سنگار ہے اور باقی رہنے والی اچھی باتیں ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلی * اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف اور کھلی ہوئی دیکھو گے اور ہم انہیں اٹھائیں گے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے * اور سب تمہارے رب کے حضور پرا باندھے پیش ہوں گے۔ بیشک تم ہمارے پاس ویسے ہی آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا بلکہ تمہارا گمان تھا کہ ہم ہرگز تمہارے لئے کوئی وعدہ کا وقت نہ رکھیں گے۔ (۱۸/۴۶ تا ۴۸ * ت: ک)

۴۶ - عرب کے رئیس کفار مال و اولاد پر فخر کرکے اپنے لئے حیات دنیا کی زیب و زینت کا سامان جمع کرتے ہیں لیکن انہیں یہ معلوم ہو کہ حیات دنیا کے تمام اسباب عنقریب فنا ہو جائیں گے خلاصہ یہ کہ حیوٰۃ الدنیا کے آرائش کے جملہ اسباب چند روزہ ہیں یہ صرف ایک لمحہ میں تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ جملہ امور خیر کو باقیات صالحات سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لئے کہ یہ لفظ موصوف کے بغیر مستعمل ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اعمال خیر جن کے ثمرات تا ابد الآباد باقی رہیں گے جیسے نماز و روزہ اور اعمال حج اور کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اسی طرح کار و نیک دعائیں وغیرہ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ "اپنے ہتھیار سنبھال لو" صحابہ نے عرض کی کیا دشمن کے حملہ کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: "نہیں جہنم کے حملہ سے ہتھیار حاصل کرو"۔ عرض کی گئی اس کے لئے کون سے ہتھیار ہیں۔ آپ نے فرمایا "جہنم سے بچنے کے لئے بہترین ہتھیار "سبحان اللہ... الخ" ہیں * کاشفی نے لکھا کہ "الباقیات الصالحات" سے لڑکیاں مراد ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ "لڑکیاں تمہارے لئے جہنم کا ستر اور والدین کے لئے جہنم سے نجات کا سبب ہیں" *

باقیات الصالحات، مال و اسباب فانی سے بہتر ہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کے لحاظ سے یعنی وہ اجر و ثواب جو نیک عمل کرنے والے کو آخرت میں نصیب ہوگا اور امید و رجاء کے لحاظ سے بھی باقیات الصالحات بہتر ہیں یعنی دنیا و آخرت کی تمام امیدوں سے وہ بہتر صلہ نصیب ہوتا ہے جو آخرت میں نصیب ہوگا اور دنیا کے مال و اسباب تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں آیت میں حیات دنیا کی زینت سے اہل ایمان کو بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس پر فخر کرنے والوں کو زجر و توبیخ کی گئی ہے!

(روح البیان)

۴۷ - قیامت کی ہولناکیوں اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے بڑے بڑے امور اور حوادث کی خبر دی جا رہی ہے۔ زمین بالکل صاف اور ظاہر ہوگی جس میں نہ کسی کے لئے کوئی نشانی ہوگی اور نہ ایسی جگہ جہاں وہ چھپ سکے بلکہ تمام مخلوق اپنے رب کے روبرو ہوگی اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہو سکے گا۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ زمین میں نہ کوئی پتھر رہے گا اور نہ کوئی پناہ گاہ۔ قتادہ مزید کہتے ہیں کہ نہ کوئی عمارت باقی رہے گی اور نہ کوئی درخت * ہم اگلے پچھلے تمام لوگوں کو اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑیں گے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

۴۸ - جیسے بادشاہ کے سامنے اس کی فوج لائی جاتی ہے، اسی طرح اللہ کے سامنے سب لوگوں کو صف بستہ شکل میں لایا جائے گا لیکن بادشاہ کی پیشی معاینہ اور شناخت کے لئے ہوتی ہے، اور اللہ کی پیشی حکم جاری کرنے کے لئے ہوگی۔ صفًّا یعنی سب ایک قطار میں سامنے آئیں گے، کسی سے کسی کی رکاوٹ نہیں ہوگی، کوئی دوسرے کے سامنے آنے سے مانع نہ ہو سکے گا۔ (دیکھو) آخر تم پاس آئے جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا یعنی جس طرح ہم نے تم کو ننگے بدن اور ننگے پاؤں، غیر مختون پیدا کیا تھا، پیدائش کے وقت تمہارے پاس دنیا کا مال و دولت کچھ بھی نہ تھا اسی طرح آج نادار ہم نے تم کو قبروں سے اٹھایا ہے * مَوْعِدًا : وعدہ حشر پورا کرنے کا وقت۔ بَلْ اس جگہ میں انتقال بیان کو ظاہر کر رہا ہے ایک بیان سے دوسرے بیان کی طرف منتقل ہونے کا اظہار لفظ بل سے ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ برہنہ حالت میں اٹھایا جانا ان لوگوں کے لئے مخصوص ہوگا جو صلحاء نہ ہوں کافر ہوں۔ (تفسیر مظہری)

لغویات و شرح * زِيْنَةٌ : زینت، زیبائش، آرائش، سنگار، گہنا۔ اسم ہے۔ امام راغب اصفہانی کہتے ہیں "زینت حقیقی وہ ہے جو انسان کو کسی حالت میں بھی معیوب نہ کرے نہ دنیا میں نہ آخرت میں لیکن جو چیز ایک حالت میں تو انسان کو رونق دے اور دوسری حالت میں نہ دے، وہ ایک حیثیت سے عیب ہے" زینت کی تین قسمیں ہیں ۱- زینت نفسی جیسے علم اور عمدہ عقائد ۲- زینت بدنی جیسے قوی بدنہ و بالا ہونا ۳- زینت خارجیہ جیسے مال و جاہ ▲ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ : باقی رہنے والی نیکیاں۔ باقیات باقیہ کی جمع بقاء سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مؤنث اَلْبَاقِيَاتُ موصوف اَلصّٰلِحٰتُ صفت۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت ابو سعید خدری رضی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر، تہلیل، تسبیح حمد اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کو باقیات صالحات فرمایا ہے اور روایات سے ظاہر ہے کہ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر یہ باقیات صالحات ہیں۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں "رہنے والی نیکیاں یہ کہ علم سکھا جائے جو جاری رہے یا نیک رسم چلا جائے یا مسجد یا کنواں، سرائے، باغ، کھیت وقف کر دیا جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح چھوڑ جائے۔ (مطالب مصطفائی)

اَمَلًا : اَمَل ۔ امید، توقع ۔ آمال جمع ▲ نُسَيِّرُ : جمع متکلم مضارع تَسْيِيْرٌ مصدر تفعیل ہم چلائیں گے ۔
تَسْيِيرٌ مصدر (ضرب) لازم ہے چلنا متعدی بالباء ہوتا ہے ▲ بَارِزَةً : کھلی بروزٌ سے اسم فاعل کا صیغہ
واحد مونث ▲ نُغَادِرْ : جمع متکلم مضارع مجزوم منفی مُغَادَرَةٌ مصدر (مفاعلة) ہم نے (نہیں)
چھوڑا یعنی نہیں چھوڑیں گے جب کسی چیز کا آئندہ آنا یقینی ہوتا ہے اور مستقبل قریب ہی وہ ضرور آنے
والی ہو تو پھر اس کے لئے ماضی کا صیغہ استعمال کر لیا جاتا ہے گویا وہ چیز ہو چکی نُغَادِرْ (مضارع کو
لَمْ نے ماضی بنا دیا اور بجائے مستقبل کے ماضی استعمال کرنے کی وجہ یہی ہے کہ قیامت کے دن کسی نہ چھوڑا جائے گا (لغات القرآن)

مفہومات مزید ★ دنیا کی مال و دولت جاہ و حشمت اور اولاد یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی بندوں کے لئے
عطاء خاص ہے اور انسانی زندگی کی رونق اور آسائش حیات کا ذریعہ ضرور ہے لیکن یہ سب کچھ ختم ہونے والی
چیزیں ہیں ہر ایک فنا ہونے والی شے ہے لہٰذا ان پر تکبر و گھمنڈ محض نادانی ہے بلکہ ان پر شکر گزاری علامت
سعادت ہے یہ دنیوی مال و اسباب اگر قرب مولیٰ تعالیٰ کا باعث بن جائیں تو گویا کہ ان چیزوں کی ثبات
و زیادتی اعمال نیک میں اضافہ و فروغ کا باعث بن جائیں تو یہی نیکیاں اور اعمال صالحہ ہی باقی رہ جانے
والے ہیں ۔ جنہیں باقیات صالحات کہا جاتا ہے ۔ اہل علم و عرفان نے احادیث شریفہ سے واضح کیا ہے کہ باقیات
صالحات میں علم کا حصول اور اس کی اشاعت، نیک باتوں کا اجراء، تعمیر مسجد، کنویں، سرائے، باغ و کھیت
کا وقف اور تربیت صالحہ کی حامل اولاد کو تیار کیا ہے اور اس میں بڑی جامعیت ہے تاہم بعض ارشادات نبویہ سے
ظاہر ہے کہ عبادات، اذکار، اور اچھے کام اعمال صالحہ میں داخل ہیں جن کا اجر و ثواب باقی رہتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے
کی جانے والی ہر عبادت اس میں شامل ہے ہر امر خیر داخل ہے ★ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو چلائیں گے
یعنی وہ اپنی جگہ سے نکل کر ابر و دھویں کی طرح چلے جائیں گے زمین سے ہر چیز ہٹا دی جائے گی زمین صاف و ہموار
ہو جائے گی نہ پہاڑ نہ ٹیلے نہ فراز نہ نشیب نہ درخت نہ کوئی عمارت نہ کوئی رکاوٹ والی چیز رہے گی کہ زمین
کھلی وسیع اور صاف دکھائی جائے گی اور جب مخلوق کو اٹھایا جائے گا تو ان میں کسی کو چھوڑا نہ جائے گا سب اپنے
مولیٰ تعالیٰ کے آگے حاضر ہو جائیں گے ● جیسے زمین میدان کی طرح کھلی صاف نظر آئے گی اور اس کی ساری نشانیاں
فنا ہو جائیں گی تو پھر اس روز محشر سارے اگلے پچھلے بلا تخصیص سب اکٹھے کئے جائیں گے سب اللہ تعالیٰ کے
حضور صف بستہ کھڑے ہوں اور ان سے فرمایا جائے گا کہ آج تم ہمارے آگے ایسے ہی آئے ہو جیسے کہ ہم نے
تمہیں تمہاری پیدائش کے وقت دنیا میں بھیجا تھا یعنی جب تم پیدا ہوئے تھے برہنہ تن برہنہ پا اور بے زر و مال
آج تمہاری یہی حالت ہے البتہ تم نے جو کچھ دنیا میں اعمال کئے آج ان کا حساب کتاب جزا و سزا ہوگی ۔
کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ تم بچ رہے تھے ہم نے کوئی وعدہ کا دن مقرر نہیں کیا تھا حالانکہ ہم نے وعدہ
کا دن حساب کا روز اور قیامت کا دن مقرر کر رکھا تھا ۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا
مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا
حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۧ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ
وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝
مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ
مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝

اور نامہ اعمال بھی لاکر دھرے جائیں گے پھر (اے مخاطب) تو گنہگاروں کو دیکھے گا کہ جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ وائے خرابی یہ کیسی کتاب ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ کسی بڑی کو مگر سب کو تو گھیر لیا ہے، انھوں نے جو کچھ کیا تھا سب ہی کو تو موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا * اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے جھک لو پس ابلیس کے سوا سب جھکے وہ قوم جن سے تھا سو اپنے رب کے حکم سے نافرمان ہوگیا پھر کیا تم اس کو اور اس کی ذریت کو، مجھے چھوڑ کر رفیق بناتے ہو حالاں کہ وہ تو تمہارے دشمن ہیں ستم گاروں کے لیے کیا ہی برا بدل ہے * (جن کو وہ پوجتے ہیں ہم نے) نہ تو ان کو آسمانوں اور زمین کے بنانے میں (اپنی مدد کے لئے) بلایا نہ خود ان کے بنانے میں اور میں بدراہوں سے کا ہے کو مدد لینے لگا تھا۔ (۱۸/ ۴۹ تا ۵۱ * ت: ح)

۴۹۔ اور اعمال نامے رکھے جائیں گے۔ الکتاب میں الف لام جنسی ہے (جس کا اطلاق کثیر پر بھی ہوتا ہے اور یہاں کثیر ہی مراد ہیں) لوگوں کے دائیں یا بائیں ہاتھوں میں یا میزان میں یا اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال نامے رکھ دیے جائیں گے پھر آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہوگا اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بغیر لکھے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا۔ (یعنی وہ لوگ کہیں گے) جن کے ہاتھوں میں اعمال نامے دیے جائیں گے۔ مِمَّا فِيْهِ ان گناہوں سے جو اعمال نامے میں لکھے ہوں گے۔ يٰوَيْلَتَنَا ويل، بمعنی ہلاکت وہ اپنی خاص ہلاکت کو پکاریں گے،

پکارنے کا مقصد موت کو بلانا نہیں ہوگا بلکہ بے قراری کا اظہار اور دوسروں کو اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبت سے آگاہ کرنا مقصود ہوگا۔ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ یہ سوال (حقیقۃً استفہام نہ ہوگا بلکہ) اظہارِ تعجب کے لئے ہوگا۔ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صغیرہ (سے مراد) تبسم اور کبیرہ قہقہہ ہے۔ سعید بن جبیرؒ نے کہا صغیرہ (نامحرم) چھونا، بوسہ لینا اور کبیرہ زنا ہے۔ دونوں بزرگوں نے صغائر و کبائر کی مثالیں دی ہیں یہ مقصد نہیں ہے کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے۔

نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جن گناہوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچو کیوں کہ اللہ کی طرف سے ان کا مطالبہ کرنے والا بھی (قیامت کے دن) ہوگا۔ بخاری نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا "تم لوگ کچھ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک اور حقیر ہوتے ہیں لیکن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ان کو ہلاکت انگیز گناہوں میں شمار کرتے تھے۔ امام احمد نے بھی صحیح سند سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ * اور جو کچھ انہوں نے کیا ہوتا (اعمالناموں میں لکھا ہوا) موجود پائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ تمام اعمال کا بدلہ پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

۵۰۔ منکرینِ حق کو اب ایک نئے انداز سے دعوتِ حق دی جا رہی ہے۔ انہیں شرم دلائی جا رہی ہے کہ دیکھو تم آدمؑ کی اولاد ہو جن کی ہم نے اتنی عزت افزائی کی کہ نورانی فرشتوں کو بھی حکم دیا کہ انہیں سجدہ کریں اور شیطان نے جب سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اسے اس جرم کی پاداش میں کہ اس نے تمہارے باپ آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا اپنی بارگاہِ عزت سے دھتکار دیا۔ وہ تمہارا قدیمی دشمن ہے۔ اب اسی کے بہکانے سے تم اپنے ربِ کریم کی نافرمانی کر رہے ہو۔ تمہیں شرم کے مارے ڈوب مرنا چاہیئے * وہ قوم جن سے تھا۔ ان الفاظ سے یہ بتا دیا کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا فَفَسَقَ کی فا اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس کے فسق اور حکم عدولی کی وجہ یہی تھی کہ اس کا عنصر ناری تھا اس کی فطرت میں تمرد اور سرکشی * منکرینِ حق کو شرم دلائی جا رہی ہے کہ تم اپنے قدیمی دشمن ابلیس کا حکم ماننے کے لئے تو ہر وقت تیار رہتے ہو لیکن اپنے مولیٰ کریم کے احکام بجا لانے میں تمہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے (ضیاء)

۵۱۔ حالانکہ ان فرشتوں اور شیطان کو میں نے نہ تو آسمان و زمین کے پیدا کرتے وقت بلایا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت ان کو بلایا، یا یہ کہ نہ تو میں نے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت ان سے مدد طلب کی اور نہ خود ان ہی کے پیدا کرنے کے موقع پر ان سے مدد چاہی اور میں ایسا عاجز نہیں کہ دوں کا فروں اور یہود و نصاریٰ اور ان اصنام کے پجاریوں کو اپنا دوست و بازو بناؤ۔ (تفسیر ابن عباسؓ مع ترجمہ)

لغوی اشارے * وضع: واحد، مذکر، غائب ماضی معروف۔ وضعٌ مصدر (فتح) اس نے قائم کیا۔

اس نے رکھا ▲ مُشفِقِین : ڈرنے والے ۔ اسم فاعل جمع مذکر منصوب ▲ وَیل : اسم مرفوع ۔ ہلاکت، عذاب دوزخ کی ایک وادی، عذاب کی شدت ۔ ویل کے مختلف معانی ہیں ۔ شر اور بدی میں داخل ہونا، درد مند کرنا، مصیبت زدہ بنانا ۔ ان معانی میں ویل مصدر ہے، افسوس سختی کلمہ وعید و زجر کلمہ عذاب ۔ عذاب شدت عذاب ۔ جہنم کی ایک وادی کا نام، جہنم کے ایک کنویں کا نام، جہنم کے ایک دروازے کا نام ۔ کلمہ حسرت وندامت ویلۃٌ دوسرا لغت ہے ویلٌ اور ویلۃ کی اضافت اگر ضمیر کی جانب ہو تو غیبت خطاب اور تکلم کی علامات بدلتی رہتی ہیں اور ویل ہمیشہ منصوب رہتا ہے یا یاء متکلم کی جانب اضافت ہو تو یاء کی وجہ سے مجبوراً ویل کے لام کو کسرہ دیا جاتا ہے نصب کی وجہ علماء ادب نے یہ فرض کی ہے کہ ویل اور ویلۃ بصورت اضافت فعل محذوف کے مصدر (یعنی مفعول مطلق ہوتے ہیں) اور اگر حرف نداء ہو تو منادی ہوتے ہیں ۔ وَیلَتَنا : مضاف و مضاف الیہ ہائے ہماری ہلاکت ویلۃ اس جگہ کلمہ حسرت وندامت ہے ▲ أَحصَىٰ : خوب گننے والا فعل التفضیل کا صیغہ ۔ أَحصٰىهَا : گن لیا اس کو اس میں ھا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے ▲ فَسَقَ : واحد مذکر غائب ماضی معروف فِسقٌ مصدر اس نے نافرمانی کی، حد اطاعت سے نکل گیا ▲ عَدُوٌّ : دشمن ۔ عدوٌّ بر وزن فعول بمعنی فاعل صیغہ صفت ہے عدوٌّ صَدِیقٌ (دوست) کے برخلاف ہے ۔ یہ یا تو عَدَا (ظلم) سے ماخوذ ہے یا تجاوزات (زیادتی کرنا) سے ۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✱ مخلوق کے اعمال نامے ان کے دونوں ہاتھوں میں رکھ دیے جاتے تھے ۔ اہل سعادت اور اعمال نیک والوں کے داہنے اور نافرمانوں کفار و مشرکین کے بائیں ہاتھوں میں دیے جاتے تھے ۔ مشرکین و منافقین اپنے اپنے اعمال ناموں کی تحریروں سے بے حد خائف رہتے تھے اور بولتے کہ ہماری کم نصیبی کہ اس نامہ اعمال میں تو ہر چیز ہر چھوٹا بڑا گناہ لکھا ہوا ہے کوئی بھی چیز چھوٹی نہیں ہے ۔ وہ اپنی ہر نیکی اور بدی کو لکھا ہوا پاتے تھے ۔ رب العالمین کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا نہ کسی کی نیکیوں میں کمی ہوتی اور نہ برائیوں میں زیادتی واضح ہو یعنی اہل ایمان کی نیکیوں میں کمی نہ ہوتی اور کفار کے برے ہی چھوڑے نہیں جاتے تھے ان کو اپنے کیے کا ہر حال خمیازہ بھگتنا پڑتا تھا ● حکم خالق کائنات فرشتوں کو ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو تو تعمیل ارشاد میں سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس مردود کے ابلیس قوم جن سے تھا اگرچہ کہ فرشتوں میں رہا کرتا تھا اور اسی بناء پر فرشتوں کے لئے سجدہ کا حکم میں وہ بھی داخل رہتا ۔ ابلیس جنات کا مورث اعلیٰ ہے ۔ اس کا پہلا نام عزازیل تھا حکم الٰہی سے سرتابی کی تب وہ ابلیس سے ملقب ہوا یعنی دھوکہ باز ہے ● اللہ تعالیٰ نے تخلیق عالم میں کسی کو شریک نہیں کیا اور نہ ہی ارادے اس کی پرواہ ہے اس لئے الوہیت اسی کے لائق ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے اور الوہیت میں لاشریک ہے تمام مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے ملائکہ جن اور انسان سبھی اسی نے پیدا کئے ہیں اسی لئے یہ آپس میں شکل و صورت اور احوال میں مختلف ہیں

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا
لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ
مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ؑ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا
الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝

اور (یاد رکھو) وہ دن جب (اللہ) فرمائے گا (اب) پکارو میرے شریکوں کو
جنھیں تم مانا کرتے تھے پس وہ انھیں پکاریں گے لیکن وہ انھیں جواب ہی
نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ کر دیں گے * اور مجرم لوگ دوزخ
کو دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی
راہ بچنے کی نہ پائیں گے * اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے (عمدہ)
مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں اور انسان جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے
(م: ت * ۱۸/ ۵۲ تا ۵۴)

۵۲۔ قیامت کے دن مشرکین کو سرعام سرزنش اور زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا جائے گا۔ آج تم ان شرکاء کو بلاؤ جنھیں تم دنیا میں پکارا کرتے تھے تاکہ وہ تمھیں آج کی اس سنگین صورت حال سے بچا لیں۔ وہ شرکاء کو بلائیں گے لیکن وہ انھیں کوئی جواب نہیں دیں گے۔ حضرت ابن عباس آیت کریمہ میں لفظ "موبق" کا معنی [illegible] بتاتے ہیں "ہلاکت"۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسی گہری وادی ہے جس کے ذریعہ اہل ہدایت اور اہل ضلالت کی تفریق کر دی جائے گی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ جہنم کی ایک وادی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ جہنم کی ایک وادی ہے جس میں پیپ اور خون بہہ رہا ہوگا (تفسیر طبری) حضرت حسن بصری نے اس کا معنی عداوت بتایا ہے لیکن ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا معنی ہلاکت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہو یا کچھ اور۔ بہر صورت اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ روز قیامت یہ مشرکین اپنے ان معبودوں تک نہیں پہنچ سکیں گے جنھیں وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے ان کے اور ان کے معبودان باطلہ کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ایک آڑ حائل ہوگی جس کے باعث ان تک رسائی ناممکن ہوگی بلکہ ان دونوں کے درمیان ہلاکت اور ہولناکی حائل ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

۵۳۔ اور جب کافروں کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جائیں گے تو دور سے کنارہ جہنم کو دیکھیں گے۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ چالیس سال کی راہ سے جہنم کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے۔ بے شک وہ اس میں گریں

جانے والے ہیں۔ (ف) جب کسی کو کسی داخل کرنے پر ڈرایا جانا مطلوب ہو تو اس کے لئے مُوَاقِعَة استعمال کرتے ہیں۔

(ف) "امام نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ اگرچہ وہ دوزخ کو بہت دور سے دیکھیں گے اور انہیں یقین ہوتا کہ وہ اس میں دھکیلے جائیں گے لیکن جب تک اس میں داخل نہیں ہوں گے تو اسے دیکھتے ہی رہیں گے یہ نہیں کہ دور سے دیکھیں تو پھر جہنم ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے بلکہ اس کے دیکھنے کے ساتھ شدت کی آوازیں ان کے کان میں پہنچتی ہیں اور اس سے بھاگنا یا بھاگنے کی قدرت نہیں پائیں گے اس لئے کہ جہنم انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ (روح البیان)

۵۴۔ یہاں تک انسان کی بدی کا یقینی نتیجہ شامت بد اثر اور عمدہ پیرایہ سے بیان فرمایا گیا اور مسئلہ معاد کی پوری تشریح کر دی گئی اور دنیا کے اسباب اور اس کی تباہ کاری کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا مثالیں بھی پیش کی گئیں مگر کج اور کج طبع اب بھی نہیں مانتے۔ اس مضمون کو "ولقد صرفنا" سے شروع کیا گیا اور یہ بھی فرمایا کہ "وکان الانسان اکثر شیء جدلا" کہ انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے اس کی طبیعت ہی حجت و تکرار ہے جس کی وجہ سے اتنی تفصیل سے سمجھانے پر بھی ایمان نہیں لاتے۔ (تفسیر حقانی)

لغوی اشارے ★ **زَعَمْتُمْ**: تم نے بتایا، تم نے سمجھا، تم نے دعویٰ کیا۔ زعم سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ▲ **مَوْبِقًا**: ظرف مکان، وبوق مصدر (سمع، حسب، ضرب) ہلاکت کی جگہ مراد جہنم کا خاص درجہ۔ تموبق۔ جیل خانہ، ہلاکت کا مقام، وبوقٌ اور موبقٌ مصدر ہلاک ہونا۔ ایباقٌ (افعال) قید کرنا۔ روک رکھنا۔ ہلاک کرنا۔ استیباقٌ (استفعال) ہلاک کرنا، ہلاک ہونے کی خواہش کرنا ▲ **مُوَاقِعُوا**: اسم فاعل جمع مذکر اصل میں مواقعون تھا اضافت کی وجہ سے نون ساقط ہو گیا مواقعةٌ (مفاعلة) مصدر، گرنے والے ▲ **مَصْرِفًا**: اسم ظرف صرفٌ مصدر، باب ضرب۔ لوٹنے کی جگہ بچنے کا راستہ۔ صرف مصدر (باب ضرب) کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لوٹا دینا یا ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل دینا (اور بصورت اسم) توبہ، نفل، وزن، کمائی، عمل، حیلہ، حوادث، شدائد، زیادتی، بزرگی، مرتبہ کی افزونی۔ صرفةٌ زمانہ کی سختی، گردش۔ صِرْفٌ خالص، بے آمیزش، ایک خالص سرخ رنگ جس سے چمڑا رنگا جاتا ہے۔ صَرِیف: خالص چاندی، قلم اور چرخ وغیرہ کے چلنے کی آواز۔ صریفہ خود بخود سوکھی ہوئی شاخ۔ صراف صیرفی۔ چاندی کو پرکھنے والا۔ صیرف بہانے جو اور روپیہ کو پرکھنے والا۔ مصروفٌ خالص شراب، اصراف (باب افعال) منہ کو ایک طرف سے دوسری طرف کو پھیر دینا۔ تصریف (باب تفعیل) قبضہ دے دینا، واضح کرنا، روپیہ جاری کرنا، ہوا کا پھرنا، ہوا کو پھیرنا۔ اصطراف (باب افتعال) کسی چیز کو کمانے کے لئے گھومنا پھرنا۔ تصرّف (باب تفعل) قبضہ کرنا، لوٹنا، انصراف (باب انفعال) لوٹ جانا باز رہنا۔ استصراف (باب استفعال) پھیرنے اور پھیر دینے کی خواہش کرنا (قاموس، تاج العروس، تاج المصادر) (لغات القرآن)

مفہومات قرآنیہ ★ جب قیامت قائم ہوگی تو اس روز خالق کائنات رب العلمین ان منکروں، کافروں،
مشرکوں سے فرمائے گا کہ آج تم ان شرکاء کو آواز دو بلاؤ جنھیں تم اپنے خیال میں میرا شریک مانتے اور
اپنے لئے شفیع و سفارشی خیال کرتے تھے تاکہ وہ تمہاری مدد کے لئے آئیں اور تمہیں ہمارے غضب، عتاب
اور عذاب سے بچا کر لے جائیں اس ارشاد ربانی پر وہ کم بخت کافر و مشرک انھیں بلائیں گے جنھیں
وہ زندگی بھر اپنا (باطل) معبود مانتے رہے اور حق تعالیٰ معبود حقیقی کو بھلا کر چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے
رہے وہ اصنام پرست اپنے اصنام کو پکاریں گے اور ان سے اپنی مدد کے لئے سفارش کریں گے لیکن ان
کے باطل معبودوں کی طرف سے کوئی جواب آئے گا اور نہ ان کی مدد کو کوئی آئے گا ۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ
اس دن ان کے اور ان کے باطل معبودوں کے درمیان ایک آڑ بنا دے گا ۔ ابن الاعرابی نے لکھا ہے کہ
موبق یعنی ہر دو چیزوں کے درمیان جو آڑ ہوتی ہے وہ موبق کہلاتی ہے ● قیامت کے دن تمام مجرمین یعنی
مشرک و کفار روز قیامت کے منکرین اپنی آنکھوں سے جہنم اور اس کی ہولناکیاں دیکھ لیں گے تو انھیں یقین
ہو جائے گا کہ یہی ہمارا ٹھکانہ ہے اور ہم اسی میں گرائے جانے والے ہیں وہ اس وقت جہنم اور اس کے
دردناک عذاب سے بچنے کی کوئی تدبیر کر سکیں گے اور نہ انھیں بچنے کا کوئی راستہ سجھائی دے گا ●
اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے انسان کو راہ حق دکھانے بتانے سمجھانے کے لئے اپنے کلام جلیل قرآن حکیم میں ہر طور و
طریق سے وضاحت فرمائی ۔ مواعظت، امثال، ماضی کے حالات کی صراحت، دلائل، براہین، اپنے کرشمے
اپنے نبیوں کے معجزات، واقعات ماضیہ، عبرت انگیز پہلوؤں، امم سابقہ پر عذاب کی تفصیلات وغیرہ
بار بار، مختلف طرح سے اور الگ الگ انداز سے صراحتاً بیان فرمائے تاکہ انسان حقائق آگاہ ہو جائے
سعادتوں سے بہرہ مند ہو جائے اور راہ حق و صداقت کو پالے، فلاح و راستی کا راستہ پالے لیکن بعض
انسان جدال پسند، ہٹ دھرم، ضدی، متکبر ہوتے ہیں اور محرومی و شقاوت ان کا مقدر ہوتا ہے
اس وجہ سے ایسے انسان پر ان تمام پند و نصائح کا اثر نہیں ہوتا اس کے سامنے دلائل و براہین
بھی کارگر ثابت نہیں ہوتے اور وہ محروم سعادت اور مستوجب سزا بنا رہتا ہے ۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ
اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ
الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ
لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۗ اِنَّا
جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۗ وَاِنْ
تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝

اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں جب آگئی ان کے پاس ہدایت (کی روشنی) اور مغفرت طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ (کہ وہ منتظر ہیں) کہ آئے ان کے پاس اگلوں کا دستور یا آئے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب ✱ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑتے ہیں کافر بے سروپا دلیلوں کی آڑ لے کر تاکہ وہ مٹادیں اس سے حق کو اور بنا لیا ہے انھوں نے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے ایک مذاق ✱ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پس اس نے روگردانی کرلی ان سے اور فراموش کر دیا اس نے ان (اعمال بد کو) جو آگے بھیجے تھے اس کے دونوں ہاتھوں نے ہم نے ڈال دیے ان کے دلوں پر پردے تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کردی اور اگر تم بلاؤ انھیں ہدایت کی طرف تو جب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

(ت: ض ✱ ۵۵/۱۸ تا ۵۷)

۵۵۔ "الھدیٰ" سے مراد قرآن، اسلام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح احکام ہیں۔ بعض اہل علم کہتے ہیں ھدیٰ سے مراد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات وقدس واطہر ہے یعنی حق کے واضح ہونے کے بعد ایمان لانے اور اپنے رب کی بارگاہ میں گزار گناہوں کی معافی مانگنے سے کونسی چیز انھیں روکے ہوئے ہے۔ کیا یہ یہی چاہتے ہیں کہ پہلے قوموں پر جس طرح ہمارا عذاب آیا اور ان کا نام ونشان مٹا دیا۔ ان پر بھی ایسا ہی عذاب آئے اور انھیں تہس نہس کر دے۔ وہ پہلے کی قوموں کے طریقہ پر

عذاب کو دیکھنا چاہتے ہیں اس طرح عذاب کے منتظر ہیں (تفسیر مظہری ۔)

۵۶ ۔ نزول عذاب سے پہلے ہم رسول بھیجتے ہیں جو ایمان لانے والوں کو مژدہ سناتے ہیں اور تکذیب کرنے والے مخالفین کو ڈراتے ہیں ۔ لیکن کفار کے متعلق بتایا کہ وہ بے سروپا دلائل اور باطل کے ذریعہ جھگڑا کرتے ہیں تاکہ وہ رسولوں کے لائے ہوئے حق کو کمزور کر دیں لیکن ان کی یہ خواہش ناتمام ہی رہے گی ۔ اور یہ ایسے نا انجام ہیں جنہوں نے دلائل و براہین ، معجزات اور اس عذاب کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا جس سے انبیاء و رسل نے انہیں خبردار کیا تھا ۔ (تفسیر ابن کثیر)

۵۷ ۔ اس سے اور کون سخت ترین ظالم ہو گا جسے آیات الٰہی یعنی قرآن مجید سے نصیحت دی جائے تو اس سے وہ منہ موڑے یعنی اس میں تدبر و تفکر نہ کرے اور بھول جائے اپنے کئے ہوئے کفر و معاصی کو اور نہ ہی ان کے بد انجام کی فکر کرے اور اسے خیال تک نہ رہے کہ نیک کو بہتر جزا اور برے کو سخت سزا ملے گی ۔ (ف) آیت میں ظالم سے مراد لینے میں موزوں وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتا اور خیر کے راستے کھلے دیکھنے کے باوجود ان پر چلنے کے بجائے روگردانی کرتا ہے بلکہ شر و فساد کی راہوں کا خوگر ہے اور انہی پر چلنے کا شوق رکھتا ہے ایسے گندے راستوں سے اجتناب نہیں کرتا ہے ۔ بے شک ہم نے اعمال کو بنایا (کذا فی تفسیر الشیخ) ان کے دلوں پر پردے ۔ یہ کنان کی جمع ہے یہ ان کے اعراض اور نسیان کی علت ہے جب کہ انہوں نے ہماری آیات سے اعراض کیا اور بھلا دیا تو ہم نے بھی ان کے دلوں پر مہر لگا دی کہ اسے سمجھ سکیں یعنی ہمیں ان کی روش پسند نہ آئی اس لئے ہم نے ان کے کانوں پر مہر لگا دی تاکہ آیات کی کنہ کی سمجھ سے محروم رہیں اور ہم نے ان کے کانوں پر ثقل اور بہرہ پن ڈال دیا تاکہ یعنی قرآنی آیات سننے یعنی انہیں قبول کرنے سے روکے (ف) ان سے کفار کا ایک مخصوص گروہ مراد ہے جن کے متعلق علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ انہیں زندگی بھر اسلام قبول نہیں کرنا (کذا قال الکاشفی ۔ اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کا جواب اور ایک شرط کی جزا ہے حضور انور علیہ السلام کے سوال کا جواب یوں ہے " اناجعلنا علی قلوبھم اکنۃ " میں گویا اشارہ تھا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ ایسے بدبختوں کو دعوت اسلام پیش بھی نہ کریں چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے لئے طبعاً رغبت تھی کہ وہ ایمان لائیں گویا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تھا " مالی لا ادعوھم " میں انہیں دعوت اسلام کیوں پیش نہ کروں ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ فرمایا " وان تدعوھم " (الآیۃ) اور یہ شرط کی جزا یوں ہے کہ جب وہ ہدایت کے قابل ہی نہیں رہا تو پھر ہدایت کے سبب دعوت نبوی کے قابل کب ہو سکتے ہیں ۔ جب ان سے استعداد کی نفی کی گئی تو گویا ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول نہ کرنے کی نفی کی گئی ہے

(روح البیان)

لغوی اشارے ★ **هُدٰی**: اسم مصدر (ضرب) ہدایت، ہدایت کرنا، انبیاء پر نازل کردہ اللہ کی کتابیں اور صحیفے، دلائل فطریہ، براہین عقلیہ، اسباب، یہ سب چیزیں بجائے خود ہدایت بھی ہیں اور ہادی بھی۔ مختلف قرائن سے مختلف معانی کی تعیین کی جا سکتی ہے ▲ **قُبُلًا**: جمع قبیل واحد۔ جماعت جماعت گروہ گروہ (مجاہد) بعض کے نزدیک قابل کا جمع ہے یعنی آنکھوں کے سامنے، آنے ▲ **یُدْحِضُوا**: جمع مذکر غائب منصوب بمعنی مصدر ادحاض مصدر (افعال) باطل کرنے کے لئے، زائل کرنے کے لئے ▲ **هُزُوًا**: مصدر (فتح) بمعنی اسم مفعول مہزوّ وہ جس کا مذاق اڑایا جائے، چھچھورا، ہلکا ▲ **نَسِیَ**: واحد مذکر غائب ماضی معروف نسیان مصدر (سمع) وہ بھول گیا۔ کسی چیز کے فراموش ہونے کے بعد اس کا ترک ہو جانا لازم ہے اسی لئے ہی جلالین اور بیضاوی وغیرہ نے ترجمہ کیا ہے اس نے ترک کر دیا ▲ **اَکِنَّةً**: پردے۔ غلاف۔ کنان کی جمع جس کے معنی پردہ اور غلاف کے ہیں ▲ **یَفْقَهُوا**: جمع مذکر غائب مضارع۔ فقہ مصدر (سمع) منصوب کہ وہ سمجھیں، مجزوم وہ سمجھیں ▲ **وَقْرًا**: اسم مصدر بوجھ ثقل گرانی بہرہ پن ▲ **اَبَدًا**: ہمیشہ، زمانہ، مستقبل غیر محدود (لغات القرآن)

مفہومات مزید ★ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی ہدایت کی تکمیل کے لئے اپنے محبوب یعنی خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما دیا اور آپ کے سینہ اطہر و اقدس پر اپنا کلام جلیل نازل فرما دیا ہے تو پھر اب کیا چیز مانع ہے کہ حق کو قبول نہ کریں لیکن حق سے منہ پھیرے ہوئے کفر و ضلالت میں گھرے ہوئے ہیں اور گناہ و معصیت کے راستے پر ڈٹے ہیں جب کہ نافرمانوں کے انجام سے تو واقف نہیں ہیں پہلی ملل یا قومیں اپنے کفر و سرکشی کے باعث ہلاکت خیز عذابوں اور تباہیوں کا شکار ہو چکی ہیں کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ قبولیت دعوت حق سے انکار کرتے وہ بھی اسی طرح کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں اور پہلے لوگوں کی طرح قہر و غضب الٰہی کے شکار بنتے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے حضرت آدمؑ تا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیوں اور رسولوں کو بھیجا اور یہ سلسلہ اپنے محبوب پر ختم فرما دیا۔ جتنے رسول آئے انہوں نے اللہ کی رحمتوں اور لطف و کرم کی خوشخبریاں دیں اور نافرمانوں کافروں اور سرکشوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا اپنا منصب پورا کیا۔ کفار نے ان کی دعوت کو نہ صرف رد کر دیا بلکہ الٹا اس کا تمسخر اڑایا۔ قبول حق کے بجائے انکار کیا اور اپنی کم بختی اور شقاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود اپنی دنیا اور آخرت برباد کر لی۔ یقیناً اس سے بڑا غافل و ظالم کوئی اور نہیں جو آیات ربانیہ کی نصیحتوں اور ہدایات سے منہ پھیر کر مبتلائے انکار و معصیت رہے اور اپنے ہاتھوں اپنی خرابی کا سامان کر کے وہ دیئے گئے نتائج سے غافل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ کوئی حق بات اور ہدایت وہ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اچھی اور ہدایت کی باتیں سننے سے ان کے کان معذور ہیں انہیں حق و صداقت توحید و رسالت کی طرف بلایا جائے تو نہیں مانیں گے ایمان سے دور اور محروم ہوں گے۔

اع

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ
بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ
لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ
لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝

اور تمہارا رب بخشنے والا مہر والا ہے اگر وہ انھیں ان کے کیے پر پکڑتا تو جلد ان پر عذاب بھیجتا بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ کا وقت ہے جس کے سامنے کوئی پناہ نہ پائیں گے * اور یہ بستیاں ہم نے تباہ کردیں جب انھوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی بربادی کا ایک وعدہ رکھا تھا * اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں۔
(۱۸/۵۸ تا ۶۰ * ت:ک)

۵۸۔ آپ کا رب تعالیٰ ہر شخص پر بہت ہی غفاریت اور بخشش فرمانے والا ہے اور رحمٰن و رحیم ہے رحمتوں عطا فرمانے والا ہے لیکن یہ اس کا اپنا ضابطہ ہے کہ کسی کی غفاریت و رحم کا حصہ اسی دنیا میں دیگر مسائل ختم کر دیا جاتا ہے اور وہ اسی دنیا میں پوری آزادی سے عیش و عشرت کر کے فانی ہاتھ چلا جاتا ہے اور کسی نصیب ور کو اس دنیا میں دار فنا میں پیار کی داد دیں حشتوں میں آزاد پھرنے نہیں دیا جاتا اس دنیا میں مہلت و ڈھیل رحیمیت و غفاری پر وہ پوشی درگزری کا ہی قانون ظہور ہے اگر اپ بدبختوں ظالموں کے کردار اور اعمال کو ہی دیکھا جاتا اور رب ذوالجلال اپنے قہر و غضب و جلال کا اظہار فرماتے ہوئے ان کو اپنی پکڑ میں لیتا اور ان کے دن رات صبح و شام آتے جاتے گناہ ہوئے کسب اور بداعمالیوں کی بنا پر اسی دنیا میں ان کا فیصلہ مقصود ہوتا تو البتہ ان کے لئے عذاب و عقاب کو بہت عجلہ بغیر مہلت دیے ہوئے فوراً نازل کر دیتا بلکہ اب نہیں ہے رحمت کا تقاضہ نہیں ہے منشا الوہیت ایک خاص وقت تک سب کو معافی و رجوع الی اللہ کی مہلت دینا ہے۔ اس مہلت و درگزر کے لئے ایک وعدے کا دن اور وقت مقرر کر دیا گیا اس وعدے نے تمام کائنات انس جنات کے لئے اجیع ہے، نیک و بد، مومن و کافر، مخلص و مجرم، عابد و غافل سب کے لئے آخر کار آنا ہے اور جب وہ آگیا تو پھر یہ تمام ظلم کرنے والے اس وعدہ کے علاوہ کہیں نجات پانے کا کوئی بھی راستہ نہیں پائیں گے وہ وعدہ کا دن تو کسی کے لئے ٹل نہیں سکتا۔ (اشرف التفاسیر)

۵۹۔ اس سے عاد ثمود اور ان جیسے اور کفار کی بستیاں مراد ہیں۔ اور ہم نے ان بستیوں والوں کو

اس وقت تباہ و برباد کیا جس وقت انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا اور ان کا ظلم و کفر و شرک اس لئے کہ جب تھا
انہوں نے خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور ان سے لڑے جھگڑے اور
دیگر کئی طرح کے جرائم و معاصی کے مرتکب ہوئے ایسے ہی وہ تھے۔ اور ہم نے ان کی تباہی و بربادی کا وقت مقرر
کیا۔ ایسا مقرر کہ اس سے پس و پیش نہ ہو جب ایسا معاملہ ہے تو کفار قریش کو عبرت کیوں نہیں پکڑتے
اور شرک و کفر اور دیگر نافرمانیوں سے کیوں باز نہیں آتے اس لئے کہ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے
نصیحت حاصل کرے (روح البیان)

۶۰۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا میں اس سفر میں برابر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں
کے سنگم پر پہنچ جاؤں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران تھا) صحیح حدیث میں آیا ہے
فتیٰ سے مراد یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام (یعنی کا کاتب ہے) شاید یوشع بن
نون، افرائیم کی نسل میں سے تھے (بیٹے نہیں تھے) کیونکہ افرائیم کا زمانہ کہ زمانہ سے بہت پہلے تھا
★ برابر مسلسل چلتا رہوں گا۔ مجمع البحرین دو سمندروں کا سنگم یعنی مشرقی جانب خلیج فارس
و بحر روم کا سنگم (قتادہ) محمد بن کعب نے کہا اس سے مراد طنجہ ہے حضرت ابی بن کعب کے نزدیک
افریقہ مراد ہے۔ یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔ حُقُبًا یعنی طویل زمانے تک۔ قاموس میں
ہے حقبہ اسی سال یا اس سے زیادہ مدت، زمانہ طویل، سال، بہت سال۔ ابن جریر اور ابن
ابی حاتم کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے حقب طویل زمانہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ
حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا حقب اسی سال۔ بعض کے نزدیک ستر سال کو ایک حقب کہتے ہیں (مظہری)

لغوی اشارے ★ الْغَفُورُ: صیغہ مبالغہ معرف باللام۔ خوب بخشنے والا، بڑا معاف کرنے والا
▲ مَوْعِدًا: اسم مصدر، نکرہ مجرور، وعدہ۔ وعد موعدۃ میعادٌ وعیدٌ اسم مصدر۔ دکھ اور سکھ
راحت و تکلیف کا وعدہ۔ وعید صرف عذاب و شر کے موقع پر مستعمل ہے اسی لئے اس کا
ترجمہ ہے دھمکی اور وعدٌ کا لفظ عام ہے ثواب اور عذاب دونوں کے لئے مستعمل ہے وعید سے
باب افتعال میں اتعاد دعا یا گیا ہے یعنی دھمکی دینا موعدٌ اور میعادٌ مصدر میمی ہیں (باب ضرب) اور
اسم ظرف بھی یعنی وعدہ کا وقت اور جگہ مُوَاعَدَةٌ ایسی زمین جس کی سبزی کی امید ہو ▲ مَوْئِلًا:
اسم ظرف وَاْلٌ مادہ۔ لوٹنے کی جگہ یعنی جائے پناہ۔ وَائِلٌ (اسم فاعل) جائے پناہ۔ اَوَّلٌ پہلا
اولیٰ (بہتر) موئِلٌ (اسم مصدر) رہائی (اسم ظرف) جائے پناہ مُوَالۃٌ۔ پناہ ▲ فَتىٰ: لڑکا،
جوان، نوجوان، مرد یا شہسوار کے لئے بولا جاتا ہے۔ خادم کے لئے بھی کہا جاتا ہے اور غلام کو بھی کبھی
فتیٰ کہہ دیتے ہیں اس جگہ نوجوان مراد ہے ▲ اَبْرَحُ: میں ہمیشہ رہا کروں گا (بمعنی) برح سے

جس کے معنی کسی مقام سے ہٹنے اور پلٹنے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد متکلم ▲ اَبْلُغَ : میں پہنچ جاؤں (نصر)
بلوغ سے جس کے معنی کسی شے تک پہنچنے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد متکلم ▲ اَمْضِیَ : میں چلا جاؤں
گا (نصر و ضرب) مُضِیٌّ سے مضارع کا صیغہ واحد متکلم ▲ حُقُبًا : مدت ہائے دراز۔ برسوں
قرنوں۔ حقبۃ زمانے کو کہتے ہیں اس کی جمع احقاب ہے۔ (لغات القرآن)

معنویات مزید ✶ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اپنی شان کریمی سے وہ گناہ گاروں کے گناہوں پر فوراً عذاب نہیں فرماتا بلکہ انہیں اپنی رحمت سے مہلت عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اپنی خطاؤں اور گناہوں کا احساس کر سکیں اور عفو طلبی کر سکیں۔ اگر ایسی رحمت والی مہلت نہ ہوتی تو کوئی گناہ گار بچ نہیں سکتا تھا فوراً عذاب میں گرفتار ہو جاتا۔ البتہ جب اس مہلت کی مدت ختم ہو جاتی اور اللہ کا معین کردہ وقت آ جاتا ہے تو پھر بچنے اور فرار کا کوئی راستہ نہیں رہتا ● نافرمان قوموں اور ان کی بستیاں مراد ہیں اکثر نے عاد و ثمود مراد لیا ہے یعنی وہ آبادیاں اور وہاں بسنے والے جن کی نافرمانیوں کی پاداش میں ہلاکت خیز عذاب آئے اور وہ سب کے سب برباد ہو گئے۔ ان کے گزشتہ واقعات اور تباہیوں کے قصے بہت مشہور ہیں۔ ان بستیوں کے لوگ شرک و کفر کے مرتکب ہوئے تھے انہیں [illegible] اور بہت سی مہلتوں کے باوجود وہ سنبھل نہ سکے تو پھر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت پر ان لوگوں کو قہر و جلال الٰہی کا سامنا کرنا پڑا
● اس قصہ کا مجملاً بیان صحیح بخاری کی اس روایت کے موجب جو حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے۔ یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں وعظ فرما رہے تھے کہ کسی نے پوچھا سب سے زیادہ عالم کون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "میں" یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناگوار معلوم ہوئی کیونکہ سب سے زیادہ عالم ہونا اللہ کی طرف [illegible] نہ کیا تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ مجمع البحرین کے موقعہ پر تم کو ہمارا ایک بندہ ملے گا جو تم سے بھی زیادہ عالم ہے ● اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم (یوشع بن نون) سے کہا کہ میں سفر کو جاری رکھوں گا [illegible] جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر (بحر روم اور بحر فارس) ملتے ہیں یا برسوں چلتا ہی رہوں گا یا قرنوں چلتا ہی رہوں گا کیونکہ ایک حقبہ ستر یا اسی برس کا ہوتا ہے۔ یہ موسیٰ وہی موسیٰ پیغمبر ہیں جن پر توریت اتری اور یہی صحیح ہے ● حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معروضہ کیا تھا کہ میں کیونکر اس بندہ تک پہنچوں تو حکم ہوا ایک مچھلی اپنے ساتھ رکھو اور جس جگہ یہ مچھلی غائب ہو جائے وہاں اس بندے سے ملاقات ہوگی ●

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝
فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ۝
قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ
إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝

پھر جب کہ وہ دونوں دریاؤں کے ملنے کے موقع پر پہنچے تو اپنی (تلی ہوئی) مچھلی (وہیں) بھول گئے پھر مچھلی نے دریا میں سرنگ کی طرح کا اپنا راستہ بنا لیا * پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو اپنے اس سفر (منزل) میں بڑی تکان پہنچی * اس نے کہا اے دیکھو جب کہ ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو مچھلی کو میں وہیں بھول آیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا آپ سے ذکر کرتا اور (جب کہ) اس نے دریا میں اپنا رستہ عجب طرح سے بنا لیا تھا۔ (۱۸/۶۱ تا ۶۳ * ت : ح)

۶۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو یہ بھولے کہ مچھلی یوشع سے نہیں مانگی۔ اور یوشع اس کا قصہ حضرت موسیٰؑ سے کہنا بھول گئے۔ بعضوں نے کہا کہ بھولنے والے صرف یوشع تھے بعضوں نے کہا مطلب یہ ہے دونوں کے دل سے اس کا خیال جاتا رہا کیونکہ یہ مچھلی بھون کر نمک لگا کر لے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے وہاں پہنچ کر حضرت موسیٰؑ سو رہے اور یوشع وضو کرنے لگے۔ زنبیل میں مچھلی تھی اب وہ خود بخود تڑپی اور پانی میں چل دی وہاں پانی اس پر ایک طاق کی طرح بن گیا یوشع کو نہایت تعجب ہوا انہوں نے قصد کیا کہ جب حضرت موسیٰؑ جاگیں تو یہ حال بیان کریں۔ جب حضرت موسیٰؑ جاگے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے یوشع مچھلی کا قصہ بیان کرنا بھول گئے۔ کہتے ہیں اس مقام پر آب حیات کا ایک چشمہ تھا اس میں سے ایک قطرہ مچھلی پر گرا تو وہ زندہ ہو گئی۔ (تفسیر وحیدی)

۶۲۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مقام مجمع البحرین میں سو کر بیدار ہوئے تو اس وقت یا کچھ دیر بعد اپنے ساتھی کے ساتھ اسی مرد خدا سے ملاقات کے شوق علمی میں آگے چل پڑے اور یہ دوپہر کا ڈھلتا یعنی نماز ظہر کا تقریباً وقت تھا ایک قول میں عصر کا وقت تھا اور مسلسل یہ آدھا دن اور ساری رات اور پھر دوسرے دن اشراق کے یا چاشت کے وقت تک چلتے رہے پھر ایک جگہ تھک کر بیٹھے اور فرمایا اپنے ساتھی نوجوان حضرت یوشع بن نون سے کہ لاؤ اب صبح کا وقت ہے ناشتہ کر لیں ہمارا ناشتہ

نکالا۔ آپ کا یہ کھانا اور ناشتہ وہی چند روٹیاں اور مچھلی تھی۔ البتہ بے شک ہم دونوں کو ہمارے اس مبارک دورہ اور تیز چلنے والے سفر کی وجہ سے بہت تھکاوٹ، مشقت، تکلیف و کمزوری، ضعف و نقاہت اور بے آرامی پہنچی ہے اور اب بھوک محسوس ہو رہی جب آپ نے حضرت یوشع سے فرمایا کہ کھانا لاؤ تو حضرت یوشع کو فوراً تمام گزشتہ بھولا ہوا واقعہ مشاہدہ یاد آ گیا۔ (اشرف التفاسیر)

۶۳۔ بغوی نے لکھا ہے، یوشع نے مچھلی کو عجیب طور پر سمندر میں گرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت موسیٰؑ کا بیدار ہونے کے بعد ذکر کرنا بھول گئے اور دن بھر بھولے رہے یہاں تک کہ دوسرے روز ظہر کی نماز پڑھ لی اور حضرت موسیٰؑ نے کھانا طلب کیا تو حضرت یوشع کو مچھلی یاد آئی اور آپ نے عذر پیش کیا یعنی شیطانی وسوسہ آفرینی نے اور اختلاط قلبی نے مجھے مچھلی کا تذکرہ بھلا دیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے حضرت یوشع آیات قدرت کے مشاہدہ میں غرق رہتے تھے، مچھلی کا واقعہ دیکھ کر یکسر بارگاہ قدس کی طرف ان کی ساری توجہ کھنچ گئی اور اسی استغراق میں پہنچ جانے سے ان کو مچھلی کا تذکرہ بھلا دیا تھا لیکن فروتنی اور انکسار طبع کی وجہ سے انہوں نے بھولنے کی نسبت اپنی طرف اور فراموش کرانے یعنی شیطانی اثر اندازی کی نسبت شیطان کی طرف کی۔ عجبا کا موصوف محذوف ہے بعض نے کہا لفظ عجبا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا یوشع نے جب ان سے مچھلی کا تذکرہ کیا اور سمندر میں اپنی راہ لینے کا اظہار کیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا "عجیب"۔ بعض نے کہا کہ مچھلی کا سمندر کے اندر راستہ اختیار کرنے کو حضرت موسیٰؑ نے عجیب قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

لغوی اشارے ✗ نَسِیَا: تثنیہ مذکر غائب ماضی معروف نسی واحد۔ نسیانٌ مصدر (سمع) وہ دونوں بھول گئے ▲ حُوْتَهُمَا: ان دونوں کی مچھلی، حوت مضاف هُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب مضاف الیہ ▲ سَرَبًا: سرنگ، اسراب جمع ▲ غَدَاءَنَا: غداء مضاف نا مضاف الیہ، ہمارا صبح کے وقت کا کھانا۔ دن کے ابتدائی حصے کے کھانے کو غداء کہتے ہیں اسی کو سحور بھی کہا جاتا ہے ▲ نَصَبًا: اسم تھکان، مشقت ▲ صَخْرَة: پتھر اور سخت پتھر صخر اور صخور جمع ▲ عَجَبًا: عجب تعجب اچنبھا، عجیب۔ یہ عَجِبَ یَعْجَبُ کا مصدر بھی ہے جس کے معنی تعجب کرنے اور اچنبھا ہونے کے ہیں اور اسم بھی۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ عجب مصدر ہے اور عجیب کی جگہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ عجیب سے زیادہ بلیغ ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ عجبت عجبا بولا جاتا ہے یعنی (باب سمع یسمع سے آتا ہے) اور جس چیز سے اچنبھا ہو اس کو عجیب کہتے ہیں اور جس کی مثال دکھائی نہ دے اس کو عجیب کہتے ہیں۔ قرآناً عجباً کے معنی ہیں ایسا قرآن کہ جس کی مثال نہ دیکھی گئی ہو اور نہ اس کا سبب معلوم ہو سکا۔ اور کبھی لفظ استعارہ

اس کا استعمال کسی فعلی اور عمدہ چیز کے لئے ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ تعجب وہ ہے جس کا سبب مخفی ہو اور معلوم نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ کسی چیز پر آپ کی نظر پڑے اور آپ یہ خیال کرنے لگیں کہ ایسی چیز کبھی نظر سے نہیں گزری تو اس کا نام تعجب ہے۔ شیخ ابوالطیب نامی نے قاموس کے قدیم حاشیہ میں اس کے معنی کے متعلق اہل لغت نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا ماحصل ان لفظوں میں پیش کیا ہے۔ "تعجب وہ حیرت ہے جو انسان کو کسی شے کے متعلق اس وقت لاحق ہوتی ہے جب کہ اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا (تاج العروس) علامہ احمد فیومی نے مصباح میں بعض نحاۃ سے اس کی تعریف یہ نقل کی ہے۔ "تعجب نفس کا وہ تاثر ہے جو اس چیز میں کہ جس پر تعجب ہو رہا ہو کسی وصف کی زیادتی کے باعث پیدا ہوتا ہے (لغات القرآن)

معجزات نمبر ۲۰۷ ★ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون نے اپنے ساتھ ایک بھنی ہوئی مچھلی کو رکھا تھا لیکن جب وہ دونوں ان دو بحروں کے سنگم (یعنی متصل ہونے کی جگہ) پہنچے تو ساتھ لائی ہوئی مچھلی کو بھلا بیٹھے اور یہ مچھلی ناشتہ کی غرض سے انہوں نے توشہ دان میں محفوظ رکھی تھی۔ مجمع البحرین پر ان دونوں کو اس مچھلی کا خیال ہی نہ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بزرگ بندہ سے ملنے کے لئے چلے تھے جن کے علم والے ہونے کا قرآن نے ارشاد فرمایا ہے۔ یہاں یہ مچھلی بطور خارق عادت زندہ ہو گئی اور سمندر میں چلی گئی ● مچھلی ان کے توشے دان میں سے تڑپ کر نکلی اور دریا میں جا گری اور جاتے جاتے وہ سمندر میں جہاں تک جاتی گئی پانی میں ایک سوراخ سا ہوتا جاتا تھا حکم الٰہی سے پانی جدھر کا ادھر ٹھہر جاتا ادھر سے ادھر ملنے نہ پاتا تھا۔ وہ دونوں اس رات دن تک چلتے گئے یہاں تک کہ دوسرے دن صبح کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یوشع جی سے فرمایا کہ اس سفر نے تھکا دیا ہے اب ہمارا ناشتہ لے آؤ جب یوشع بن نون نے ناشتہ دیکھا تو موجود نہ تھا تو آپ کو کل کا سارا واقعہ یاد آ گیا اور آپ بہت حیران اور خجل ہوئے کہ مچھلی کے پانی میں اترنے اور دور تک چلے جانے کی بات حضرت موسیٰؑ کو نہیں بتائی گویا کہ سفر کی دھن میں ہونے کی وجہ سے ہی ایسا ہوا ● یوشع بن نون نے معذرت خواہی کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ سے عرض کیا کہ جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے تھے تو دیکھا کہ مچھلی دریا میں گر پڑی اور دریا میں ایک لکیر سا بن گئی ہوئی راہ ہو لی اور دور تک مچھلی گئی تھی اس واقعہ کو میں پہلے ہی بتانا چاہتا تھا لیکن شیطان نے اپنی مکاری کی اور مجھے یہ بات بھلا دی۔ میں مچھلی کے عجیب واقعہ کا ذکر آپ سے نہ کر سکا بقول تیاانہ یہ کام ابلیس یعنی شیطان ہی نے کیا ہے کہ یہ کام کیا اس واقعہ کو میرے ذہن سے بیان کرنا بھلا دیا۔ مچھلی برتن سے تڑپ کر دریا میں دور تک اپنا راستہ بناتے ہوئے چلی گئی ●

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۙ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝

(موسیٰؑ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) تھا جس کی ہم کو تلاش تھی پھر دونوں اپنے قدموں کے نشان پر الٹے چلے * تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنا ایک خاص فضل رحمت کیا تھا اور ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک (خاص) علم سکھایا تھا * موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ جو علم (مفید) آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھے بھی سکھا دیں * انہوں نے کہا آپ سے میرے ساتھ نباہ (صبر) نہ ہو سکے گا۔

(۱۸/۶۴ تا ۶۶ * ت: م)

۶۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم یوشع بن نون سے فرمایا کہ جس واقعہ مچھلی کو تم نے بیان کیا ہے وہی تو تھا نبغ دراصل نبغی تھا اس کی ضمیر جو اس کے اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے وہ محذوف ہے یہ عبارت دراصل نبغیہ تھی۔ یعنی جس کی ہمیں تلاش تھی اور جس کی طلب میں ہم گھر سے روانہ ہوئے تھے وہ یہی نشان تھا اس لئے کہ خضر علیہ السلام کی ملاقات کے موقعہ کی علامت یہی بتائی گئی تھی فارتدا جہاں تک پہنچے وہاں سے واپس لوٹے اور وہ ایک نہر تھی وہ اسی دریا سے نکلتی تھی جس میں مچھلی چھوڑ آئے تھے علیٰ آثارھما۔ یعنی اسی راستے سے واپس ہوئے جسے طے کر کے گئے تھے بمعنی الاعلام نشانات اثر کی جمع ہے استعمال کیا جاتا ہے "خرج فی اثرہ واثرہ" یعنی وہ اس کے بعد یا اس کے پیچھے نکلا آثار بمعنی اقدام بھی آیا ہے (روح البیان)

۶۵۔ جب وہاں واپس پہنچے تو جس مرد خدا کی تلاش میں نکلے تھے ان سے وہاں ملاقات ہو گئی۔ حضرت خضر وہاں سفید چادر لپیٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا آپ موسیٰ بنی اسرائیل ہیں۔ آپ نے پوچھا آپ کو کیسے خبر ہو گئی تو حضرت خضر نے فرمایا جس نے تجھے میری طرف بھیجا ہے اسی نے مجھے بھی بتایا ہے "عبادنا" میں اضافت شرف و عزت افزائی کے لئے ہے یعنی وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جن کو ہمارے حضور میں قرب کا مقام حاصل تھا۔ جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے خاص علم۔ اس رحمت خصوصی کے علاوہ ایسا علم اسے عطا

فرمایا تھا جو عام انسانوں کے ادراک سے بالکل جدا ہے نہ وہاں مقدمات کو مرتب کیا جاتا ہے نہ ان میں غور و فکر
کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ خود بخود عقدے کھلتے جاتے ہیں پردے اٹھتے جاتے ہیں اور حقائق و مطالب کا
انکشاف ہوتا جاتا ہے اور ذات باری اور صفات باری کی حقیقت پر آگاہی ہو جاتی ہے۔ (ضیاء القرآن)

٧٦۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اے رب کریم کے پیارے محبوب خلیل علیم بندے! مجھ کو رب تعالیٰ
نے تمہارے پاس تمہاری ملاقات کرنے اور زیارت کرنے کو بھیجا ہے اور اس ملاقات کی میں نے خود ہی رب تعالیٰ
کی بارگاہ قدس میں خواہش و التجا و تمنا کی تھی اور آرزو کی تھی کیونکہ رب تعالیٰ نے تمہارے عظیم الشان ایسے
علم کا ذکر فرمایا تھا جو مجھ کو معلوم نہیں اور بارگاہ صمدیت سے تمہارا لقب أَعْلَمُ ارشاد ہوا ہے لہٰذا
اب میری خواہش ہے کہ میں آپ سے وہ باطنی و روحانی علم کچھ کچھ سیکھوں تاکہ میرے علم میں زیادتی ہو جائے
کیا مجھ کو اجازت ہے کہ میں کچھ مدت کے لئے آپ کی اتباع میں آپ کا ساتھ دوں۔ صرف اس مقصد کے لئے کہ
جو علم رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو سکھایا پڑھایا اور تعلیم دیئے گئے آپ مجھ کو اس علم کی باطنی رشد و ہدایت
دیتے ہوئے سکھا دیجئے۔ (اشرف التفاسیر)

٧٧۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہیں ٹھہر سکیں گے۔ حضرت خضر
نے یہ اس لئے فرمایا کہ وہ جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام امور منکرہ و ممنوعہ دیکھیں گے اور انبیاء علیہم السلام
سے ممکن ہی نہیں کہ وہ منکرات کو دیکھ کر صبر کر سکیں پھر حضرت خضر نے اس ترک صبر کا عذر بھی خود ہی بیان فرما دیا (کنز الایمان)

لغوی ابحاث ✶ نَبْغِ : جمع متکلم مضارع بنفی مصدر (ضرب) ہم ڈھونڈتے تھے اصل میں نَبْغِی
تھا ▲ آثَارِهِمَا : ان دونوں کے نشانات قدم۔ آثار مضاف هُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب مضاف الیہ ▲
قَصَصًا : مصدر، حالت نصب، نشان قدم تلاش کرتے ہوئے ▲ لَدُنَّا : لَدُنْ مضاف نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ
ہماری طرف سے ▲ رُشْدًا : راستی، بھلائی، نیکی، راہ پانا۔ رشد یرشد کا مصدر ہے اس کے معنی راہ راست
پانے کے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں کہ "بعض علماء کا بیان ہے کہ رَشَد رُشْد سے اخص ہے کیونکہ رُشْد امور
دنیویہ اور اخرویہ دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور رَشَد صرف امور اخروی میں بولا جاتا ہے ▲ تَسْتَطِیْعُ :
تو کر سکے گا۔ اِسْتِطَاعَةٌ سے مضارع کا صیغہ۔ واحد مذکر حاضر (لغات القرآن)

معلومات مزید ✶ خضر علیہ السلام کو اسی نام سے موسوم کرنے کی وجہ صحیحین میں ہے کہ آپ کا اس نام سے اس
لئے موسوم کیا گیا کہ آپ خشک زمین پر بیٹھے تو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ خشک زمین سرسبز و شاداب ہو گئی
حضرت خضر علیہ السلام کی کنیت ابو العباس اور نام بلیا ہے۔ ابو اللیث نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے خضر علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ کسی بادشاہ کے صاحبزادے تھے اس کا خیال ہوا کہ انہیں اپنا جانشین
بنائے لیکن حضرت خضر نے ایسی جانشینی قبول نہ کی اور وہاں سے نکل کر کسی جزیرے میں ایسے چھپے کہ بادشاہ تلاش

کرتا ہی رہ گیا۔ کتاب التعریف والاعلام سہیلی میں ہے کہ خضرؑ کے والد بادشاہ اور والدہ فارس کی تھیں اور
ان کا نام "الہا" تھا۔ خضرؑ کی ایک غار میں ولادت ہوئی والدہ کہیں چلی گئیں۔ روزانہ آپ کو ایک بکری دودھ
پلاتی رہی۔ کچھ بڑے ہوئے تو ایک شخص آپ کو لے گیا اور اسی نے آپ کو پالا پوسا۔ جب آپ جوان ہوئے تو بادشاہ نے
یعنی آپ کے والد نے اعلان کیا کہ کاتبین جمع ہوں تاکہ ان سے ابراہیم و شیث علیہما السلام کے صحیفے لکھوائے
جائیں۔ جب کاتبین جمع ہوئے تو ان میں خضرؑ بھی تھے آپ کے والد بادشاہ کو پہچان نہ تھی۔ جب آپ نے کتابت
کی تو آپ کے حسن خط اور بہتر عادت اور اچھی خصلت کو دیکھ کر بادشاہ متاثر ہوا اور پوچھا آپ کون ہیں
آپ نے اپنا تعارف کرایا تب اسے معلوم ہوا کہ یہ تو اس کے صاحبزادے ہیں اس نے آپ کو ساتھ لے لیا اور بادشاہی
کا حصہ اور ان کے سپرد کر دیے۔ لیکن حضرت خضرؑ دنیا نہیں چاہتے تھے لہٰذا سب کو چھوڑ کر چلے گئے اور
سیر و سیاحت اختیار کی یہاں تک کہ چشمہ آب حیات پر پہنچے اور وہاں سے پانی پی لیا۔ حضرت خضرؑ کے
متعلق مختلف اقوال مشہور ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خضرؑ آدم علیہ السلام کے بلا واسطہ
فرزند تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے عمر طویل عطا کی۔ ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدمؑ کا وقت وصال
قریب آیا تو وصیت فرمائی کہ ان کا جسد مبارک غار میں لے جانا۔ طوفان نوحؑ کے وقت آپ کا جسم مبارک کشتی
میں لے جایا گیا۔ جب خشکی پر آئے تو حضرت آدمؑ کے جسد مبارک کو دفنانے کی سعادت خضرؑ کو نصیب ہوئی اور وہ
قیامت تک زندہ رہنے والے خوش نصیب ہو گئے۔ بعض کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام
کی اولاد امجاد سے ہیں۔ بعض آپ کو نبی مانتے ہیں لیکن ایسے جو کسی قوم کی طرف بھیجے نہ گئے تھے بعض صوفیہ محققین
آپ کو ولی مانتے ہیں۔ آپ کے فرشتہ ہونے کا بھی ایک نظریہ ملتا ہے لیکن اس کے غلط ہونے پر اتفاق ہے۔ آپ کے
زندہ و موجود ہونے کے بارے میں علماء ظواہر نے اتفاق کیا ہے کہ کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے پتہ چلے
کہ آپ کس وقت فوت ہوئے اور کہاں مدفون ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین
ہیں آپ کے بعد نئے نبی کا آنا محال ہے اگر حضرت خضرؑ نبی ہیں تو وہ حضور اکرمؐ کے ظہور رسالت سے پہلے کے نبی ہیں جیسے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں اور زندہ بھی ہیں لہٰذا ان حضرات کی نبوت خاتمیت نبوت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پر اثر انداز نہیں اس لیے کہ یہ حضرات بحیثیت نبی کے حضور علیہ السلام کی امت میں زندہ و موجود نہیں بلکہ بحیثیت
امتی ہونے کے ہیں (روح البیان) حضرت شیخ اکبرؒ نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا کہ حضرت خضرؑ آخری زمانے
میں حضرت خضرؑ کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ اور امام مہدی کے ساتھی و ناصر ہوں گے بلکہ ان کے لشکر میں یہ
بھی حضرت بہترین عسکری تا ہستہ ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ ہر موسم حج پر ہر سال
ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ حضرت خضر کا مسکن بیت المقدس میں باب الرحمٰن اور
باب الاسباط کے درمیان رہتا ہے۔

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝
قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ
اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫
حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ
جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝

اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں ✶ آپ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم سے ✶ اس بندے نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں ✶ پس وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا۔ موسیٰ بول اٹھے کیا تم نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ اس کے سواروں کو ڈبو دو یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے ✶ اس بندے نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت میں صبر کر سکیں۔ (۱۸/۶۸ تا ۷۲ ✶ ش: ض)

۶۸۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو بھی ظاہر شریعت کا علم دیا ہے میرے کام ایسے ہیں کہ ظاہر میں شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں پر جب باطن کا علم کسی کو ہو تو وہ عین مصلحت ہیں اور شریعت کے خلاف نہیں کیوں کہ حکم الٰہی کے موافق کئے جاتے ہیں۔ (تفسیر وحیدی)

۶۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان شاء اللہ آپ سے جو افعال ظہور پذیر ہوں گے آپ مجھے ان پر صابر پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کے حکم کا اختلاف نہیں کروں گا۔ (تفسیر ابن عباسؓ ترجمہ)

۷۰۔ قال کا فاعل خضر علیہ السلام ہیں۔ "اتبعتنی" میں ابن ذکوان نے یاء کو دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے جبکہ اخفش سے اس کے خلاف مروی ہے باقی قراء نے دونوں حالتوں میں یاء کو قائم رکھا ہے۔ نافع، ابن عامر اور ابوجعفر نے فلا تسئلنی کو لام کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ دوسرے قراء نے لام کے سکون اور نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کلام کو شرط و جزاء کی صورت میں ذکر کیا ہے کیوں کہ صبر کرنے میں آپ کو شک تھا اور اس کے وقوع کو آپ نے بعید سمجھا (یعنی حضرت خضرؑ کو موسیٰ کلیم علیہ السلام کے خاموش رہنے اور سوال نہ کرنے پر شک تھا اور آپ کو معلوم تھا کہ اختلاف مشرب کی بناء پر یہ

خاموش نہیں رہ سکیں گے اس لیے یہ اسلوب اپنایا۔ سیدھا یہ نہیں فرمایا کہ آپ مجھ سے اس کام کے متعلق نہ پوچھنا جو میں کروں جبکہ وہ تمہیں پسند نہ ہو۔ کیونکہ سوال اعتراض کے مانند ہوتا ہے اور اعتراض استفادہ سے مانع ہوتا ہے۔ پس میں خود اس معاملہ کو بیان کروں تو ٹھیک ورنہ آپ استفسار نہ کرنا۔ (تفسیر مظہری)

۷۱۔ دونوں حضرات نے جب ایک ساتھ سفر کرنے پر اتفاق کر لیا اور حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ شرط منوالی کہ وہ کسی بھی ان کی چیز پر معترض نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ انہیں خود ہی آگاہ نہیں کر دیتے تو دونوں عازم سفر ہوئے اور ایک کشتی پر سوار ہوتے۔ کشتی والوں نے حضرت خضرؑ کو پہچان لیا اور ان دونوں حضرات کو بغیر کرایہ وصول کیے سوار کر لیا۔ جب کشتی منجدھار میں پہنچی تو حضرت خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ اکھیڑ ڈالا، پھر اسے وہاں لگا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کر سکے فرمانے لگے اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا۔ ..."لِتُغْرِقَ" میں لام عاقبت کا ہے نہ کہ تعلیل کا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے کہا۔ آپ نے نازیبا اور عجیب کام کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

۷۲۔ حضرت خضرؑ نے کہا "میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے"۔ (حاشیہ کنزالایمان)

لغوی اشارے ★ تُحِطْ: تو احاطہ کرے گا، تو گھیرے گا، تو قابو میں کرے گا۔ احاطۃٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ▲ خُبْرًا: دانش، سمجھ، خبر، خبرداری۔ خَبَرَ يَخْبُرُ کا مصدر ہے ▲ اَعْصِي: میں نافرمانی کروں گا (ضَرَبَ) مَعْصِيَةٌ سے جس کے معنی نافرمانی کرنے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد متکلم ▲ اَمْرًا: کام، معاملہ، حالت، حکم۔ امر کا لفظ تمام اقوال و افعال کے لیے عام ہے۔ جب امر حکم کے معنی میں آئے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بصیغہ امر ہی ہو بلکہ خواہ بصیغہ امر ہو خواہ بلفظ خبر یا بطریق اشارہ کہا گیا ہو سب امر کے معنی میں داخل ہے ▲ اُحْدِثُ: میں نکالوں، میں شروع کروں۔ احداث سے جس کے معنی پیدا کرنے اور کسی چیز کو نئے سرے سے شروع کرنے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد متکلم ▲ اِنْطَلَقَا: وہ دونوں چلے۔ اِنْطِلَاقٌ سے ماضی کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب (لغات القرآن)

مفہوم آیات مزید ★ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضرؑ نے کہا کہ ایسے کام جو آپ کے احاطہ معلومات میں نہ ہوں انہیں سرزد ہوتے ہوئے آپ دیکھیں گے تو ظاہر ہے آپ خاموش نہیں رہ سکیں گے ضرور اس بارے میں آپ اعتراض کریں گے آپ (شریعت کے بظاہر خلاف ہیں کس طرح) ان کاموں کو دیکھ کر خاموش رہیں گے صبر کریں گے آپ لازماً ٹوکیں گے۔ اور وہ افعال بظاہر شرع کے خلاف ہوں گے حالانکہ ان کے مقصد و منشا کی آپ اطلاع نہ ہوگی تو آپ کیسے چپ رہ سکتے ہیں ● حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضرؑ کو اطمینان دلایا کہ میں اپنے آپ پر قابو رکھوں گا آپ ان شاء اللہ مجھے صابر پائیں گے اور یہ بھی یقین دلایا کہ میں آپ کا ہر حکم بجا لاؤں گا کسی بات کے خلاف نہ کروں گا ● خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو میری یہ شرط ہے کہ اثنائے راہ جو دیکھو یا میرا جو کام دیکھو اس پر مجھ سے سوال نہ کرنا مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود نہ بتا دوں ●

جب دونوں یعنی حضرات موسیٰؑ و خضرؑ چلے اور یہاں تک کہ کشتی میں سوار ہوئے۔ جب کشتی پر چڑھنے لگے تو کشتی والوں نے حضرت خضرؑ کو پہچان لیا اور ان سے کچھ کرایہ معاوضہ نہیں لیا بلکہ مفت دونوں کو کشتی میں سوار کر لیا۔ حضرت موسیٰ نے دیکھا کشتی میں سوار ہونے کے بعد خضرؑ نے کشتی میں شگاف کر دیا یعنی کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا۔ حضرت موسیٰؑ کو سخت حیرت ہوئی انہوں نے خضرؑ سے کہا کہ کیا آپ کشتی اور کشتی والوں کو ڈبو دینا چاہتے ہیں یقیناً یہ بہت نامناسب برا کام کیا ہے سواروں میں بغیر کرایہ کے چڑھنے کے احسان کا بدلہ یہ نقصان دہ کام تعجب خیز ہے۔ تختہ نکال دینے کے باوجود نہ کشتی ڈوبی نہ کشتی والے ڈوبے بلکہ سب سلامت رہے ● حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے اور سفر کرنے خواہ خشکی پر ہو یا سمندر میں ہو ہرگز میرے معاملات اور کام دیکھ کر صبر و برداشت نہ کر سکیں گے۔ خضرؑ نے کہا کہ میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ تادیر رہ نہ پائیں گے۔

* ہر وہ علم جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے لیکن وہ ایسا علم ہو کہ جو غیروں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اسے علم لدنی نہیں کہا جاتا۔ علم معرفت ذات و صفات البتہ ایسا علم ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور سے نہیں حاصل کیا جا سکتا اسی لئے علم لدنی صرف ایسے علوم کو کہا جاتا تھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ علم لدنی وہ ہے کہ اس کے حصول کے بعد پختہ یقین ہو اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو * حضرت موسیٰ علیہ السلام جس علم کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس حاصل کرنے گئے تھے اسے اشارات کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا وہ علم باطن جو مکاشفات کے طور پر حاصل ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں نہ یہی علم لکھا ہوا جو الفاظ کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے (روح البیان) اس کی دلیل ظاہر ہے کہ اگر وہ ظاہری یا باطنی علم ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود بلا واسطہ یا بواسطہ جبرئیل علیہ السلام علوم عطا فرماتا۔ الغرض حضرت خضرؑ کے پاس اس لئے بھیجا تھا تاکہ معلوم ہو کہ وہ خصوصی علم ہے جو اشارہ کے طور پر سکھایا جاتا ہے۔